ماہنامہ
بانی: ڈاکٹر مجید نظامیؒ
نظریۂ پاکستان
لاہور
نومبر 2014ء کے از مطبوعات نظریۂ پاکستان ٹرسٹ محرم ۱۴۳۶ھ
A PUBLICATION OF NAZARIA-I-PAKISTAN TRUST

جلد 14 شمارہ 03

بانی چیف ایڈیٹر : ڈاکٹر مجید نظامی مرحوم

مجلسِ ادارت

زیرِ نگرانی : محمد رفیق تارڑ
چیف ایڈیٹر : پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد
مینجنگ ایڈیٹر : میاں فاروق الطاف
ایڈیٹر : شاہد رشید
ڈپٹی ایڈیٹر : نعیم احمد
اسسٹنٹ ایڈیٹرز : زید حبیب، معاذ جانباز
گرافکس : محمد شہزاد یٰسین، عدنان اشرف

مجلسِ مشاورت

☆ ڈاکٹر جاوید اقبال
☆ بیگم مجیدہ وائیں
☆ سید غوث علی شاہ
☆ کرنل (ر) جمشید احمد ترین
☆ کرنل (ر) امجد حسین سید

بدل اشتراک

قیمت فی شمارہ 50 روپے

سالانہ بدل اشتراک

پاکستان	500 روپے
امریکہ	52 ڈالر
سعودی عرب	150 ریال
برطانیہ	26 پاؤنڈ
سویڈن	304 کرونا
متحدہ عرب امارات	150 درہم

اس شمارے میں

کلام اقبالؒ ہماری رہنمائی اور روحانی فیضان کیلئے ہمیشہ موجود رہے گا	فرمودات قائداعظمؒ	02
بنگلہ دیش میں متحدہ پاکستان کے حامیوں کے خلاف انتقامی کارروائی	اداریہ	03
جہانے از خس و خاشاک درمیاں انداخت	فرمودات علامہ محمد اقبالؒ	04
ماہِ محرم الحرام کی فضیلت و اہمیت	خصوصی مضمون	05
اسلام کی فلاح و بہبود کے خیال سے منظم اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کر رہا ہوں	علامہ محمد اقبالؒ کے خطبہ الٰہ آباد سے اقتباس	08
حقیقت پسند مفکر اور دور اندیش شاعر علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ	محمد شریف بقاء	11
دورِ حاضر اور فکر اقبالؒ	محمد منیر احمد	15
اقبالؒ کے حضور (نظم)	ڈاکٹر رفیق احمد	17
علامہ محمد اقبالؒ کا تصور خودی	محمد اشرف شریف	18
علامہ محمد اقبالؒ کی ابتدائی زندگی کا احوال	رضوان مجاہد	23
جناب ڈاکٹر مجید نظامی کے ایصال ثواب کیلئے محفل قرآن خوانی	رپورٹ	25
بابائے صحافت ڈاکٹر مجید نظامی	وقار فانی	26
یہ تھے جناب مجید نظامی!	افتخار مجاز	28
جناب ڈاکٹر مجید نظامی کے ایصال ثواب کیلئے محفل قرأت	رپورٹ	29
علامہ محمد اقبالؒ اور تحریک آزادیٔ کشمیر	کلیم اختر	30
علامہ محمد اقبالؒ کے شاعرانہ اجتہادات	ڈاکٹر محمد فیض احمد	37
قائداعظمؒ اور علامہ محمد اقبالؒ کا تصور پاکستان	مختار احمد	39
کالا باغ ڈیم کیوں ضروری ہے؟	صدیق ریحان	41

پرنٹر پبلشر شاہد رشید نے نظریۂ پاکستان ٹرسٹ کیلئے نظریۂ پاکستان پرنٹرز 10/ملتان روڈ لاہور سے چھپوا کر ایوانِ کارکنانِ تحریک پاکستان، شاہراہِ قائداعظم لاہور سے شائع کیا

فون : 14-99201213 فیکس: 99202930 ای میل: trust@nazariapak.info ویب: www.nazariapak.info

کلام اقبالؒ ہماری رہنمائی اور روحانی فیضان کیلئے ہمیشہ موجود رہے گا

میں آج کے دن، اپنے قومی شاعر علامہ محمد اقبالؒ کی پیار بھری یاد کو اپنی طرف سے خراج عقیدت پیش کرتا ہوں، جو اس عظیم شاعر، دانا، فلسفی اور مفکر کی یاد کے طور پر منایا جا رہا ہے اور اس قادر مطلق سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ان کی روح کو دائمی سکون بخشے۔ آمین

ہر چند کہ وہ ہمارے درمیان موجود نہیں لیکن ان کا شعر، جو لافانی ہے، ہماری رہنمائی اور فیضان روحانی کے لیے ہمیشہ موجود رہے گا۔ ان کی شاعری طرز کے اعتبار سے حسین اور زبان کے لحاظ سے دلکش ہونے کے علاوہ ہمارے سامنے اس عظیم شاعر کے ذہن اور قلب کی ایک تصویر پیش کرتی ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ انہیں اسلامی تعلیمات سے کس قدر گہری عقیدت تھی۔ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک سچے اور وفا کیش پیروکار تھے..... اول مسلمان اور آخر مسلمان۔ وہ اسلام کے شارح اور اس کی صدا تھے۔

علامہ محمد اقبالؒ محض ایک مبلغ اور فلسفی نہیں تھے وہ حوصلے اور عمل، استقامت اور خود انحصاری کے علمبردار تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ اور اسلام سے لگن رکھتے تھے۔ ان کی ذات ایک شاعر کی مثالیت اور ایک ایسے فرد کی حقیقت پسندی کا مجموعہ تھی جو معاملات کو عملی نقطہ نظر سے دیکھتا ہے۔ اللہ پر ایمان، مسلسل اور ان تھک عمل ان کے پیغام کا لب لباب ہے اور اس معاملے میں وہ صحیح اسلامی شکل میں جلوہ گر نظر آتے ہیں۔ اسلامی اصولوں پر ان کا غیر متزلزل ایمان ہے۔ ان کے نزدیک زندگی میں کامیابی کے معنی ہیں اپنی خودی کا ادراک اور اس کا حصول، اور اس مقصد کو حاصل کرنے کا واحد طریقہ اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا ہے۔ بنی نوع انسان کے نام ان کا پیغام ہے عمل کیجیے اور اپنی خودی پہچانئے۔

ایک عظیم شاعر اور فلسفی ہونے کے باوصف وہ کوئی معمولی درجے کے عملی سیاستدان نہیں تھے۔ اسلام کی اقدار پر پختہ یقین اور ایمان رکھتے ہوئے وہ ان چند لوگوں میں شامل تھے جنہوں نے ہند کے شمال مغربی اور شمال مشرقی منطقوں میں، جو تاریخی اعتبار سے مسلمانوں کے اوطان ہیں، اس نوع کی اسلامی مملکت کے قیام کے امکانات پر غور کیا۔

میں اس ''یوم اقبال'' کی تقریب کے ساتھ بہ صمیم قلب خود کو شامل سمجھتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ ہمارے قومی شاعر نے جن آدرشوں کا پرچار کیا ہے ہم انہیں حاصل کر سکیں اور اپنی خود مختار مملکت پاکستان میں، جب وہ قائم ہو، انہیں جامہ عمل پہنا سکیں۔ (دی ڈان، 11-دسمبر 1944ء)

یوم اقبالؒ کی تقریب پر پیغام - نئی دہلی دسمبر 1944ء

قائداعظمؒ: تقاریر و بیانات جلد سوم صفحہ نمبر 400 تا 401

مؤلف خورشید احمد یوسفی | مترجم: اقبال احمد صدیقی | ناشر: بزم اقبال، کلب روڈ، لاہور

اداریہ

بنگلہ دیش میں متحدہ پاکستان کے حامیوں کے خلاف انتقامی کارروائی

بنگلہ دیش کی بھارت پرست وزیراعظم شیخ حسینہ واجد کی طرف سے وہاں اسلامی نظریات کے حامل افراد اور جماعتوں کے خلاف انتقامی کارروائیوں کا سلسلہ دراز تر ہوتا جا رہا ہے۔ حال ہی میں اس کے قائم کردہ نام نہاد ''انٹرنیشنل وار کرائمز ٹریبونل'' نے جماعت اسلامی کے امیر مطیع الرحمان نظامی کو 1971ء کی پاک بھارت جنگ کے دوران نسل کشی' عصمت دری اور لوٹ مار سمیت 16 بے بنیاد الزامات کے تحت سزائے موت سنا دی ہے۔ قبل ازیں سابق امیر جماعت اسلامی پروفیسر غلام اعظم 62 من گھڑت جنگی جرائم کے تحت 99 سال قید کی سزا بھگتنے کے دوران ایک سرکاری ہسپتال میں قائم قید خانے میں 23 اکتوبر 2014ء کو اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ ان سے پہلے 12 دسمبر 2013ء کو عبدالقادر ملا کو پھانسی دے دی گئی۔ اس تمام تر انتقامی عدالتی عمل کا ماسٹر مائنڈ ہمارا ازلی دشمن بھارت ہے۔ وہ اپنی کٹھ پتلی شیخ حسینہ واجد کے ذریعے متحدہ پاکستان کے حامیوں کو نشانِ عبرت بنانے کے اپنے مذموم منصوبے کو عملی جامہ پہنا رہا ہے۔ بھارت اور اس کی پروردہ شیخ حسینہ واجد کے اس گھناؤنے کھیل پر جس ملک کو سب سے پہلے صدائے احتجاج بلند کرنی چاہیے تھی' وہ مہر بہ لب ہے اور اسے بنگلہ دیش کا اندرونی معاملہ قرار دے رہا ہے۔ جن لوگوں نے 1971ء میں متحدہ پاکستان کی بقاء کی جنگ لڑی تھی' حکومت پاکستان نے انہیں لاوارث چھوڑ دیا ہے حالانکہ 9-اپریل 1974ء کو نئی دہلی میں پاکستان' بنگلہ دیش اور بھارت کے مابین ایک سہ فریقی معاہدہ طے پایا جس پر پاکستان کے وزیر مملکت برائے امور خارجہ عزیز احمد' بنگلہ دیش کے وزیر خارجہ ڈاکٹر کمال حسین اور بھارتی وزیر خارجہ سورن سنگھ نے دستخط کئے تھے۔ معاہدہ کے مطابق یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ 1971ء کی پاک بھارت جنگ کے حوالے سے کسی شخص پر جنگی جرائم کا مقدمہ نہ چلایا جائے گا۔ ہماری حکومت اس معاہدے کی بنیاد پر عالمی برادری کو شیخ حسینہ واجد کی خون آشامی کے خلاف متحرک کر سکتی ہے مگر نامعلوم وجوہات کی بناء پر ایسا کرنے سے گریزاں ہے۔

یہ محض جماعت اسلامی کا مسئلہ نہیں ہے بلکہ پوری پاکستانی قوم کی غیرت وحمیت کا معاملہ ہے۔ پاکستان کی تمام سیاسی و مذہبی جماعتوں کو اس معاملے میں یک سو اور یک زبان ہو جانا چاہیے اور شیخ حسینہ واجد کو ببانگ دہل انتباہ کرنا چاہیے کہ وہ بھارت کے چرنوں میں بیٹھ کر متحدہ پاکستان کے حامی عناصر کا خون بہانے سے باز رہے۔ دراصل شیخ حسینہ واجد اپنے باپ شیخ مجیب الرحمٰن کے نقش قدم پر چلتے ہوئے بھارت کو اپنا محسن تصور کرتی ہے اور اس کی جبر وتشدد پر مبنی پالیسیوں کو آگے بڑھا رہی ہے۔ غالباً اُسے ''بنگلہ بندھو'' کا عبرتناک انجام یاد نہیں رہا۔ اس کے نزدیک پاکستان سے محبت یا اس کے متعلق خیر سگالی جذبات رکھنا ایک انتہائی سنگین اور ناقابل معافی جرم ہے جس کی سزا صرف اور صرف موت ہے۔

جماعت اسلامی اور بنگلہ دیش نیشنلسٹ پارٹی اپنے ملک کے اسلامی تشخص کی داعی ہیں اور ان کی طرف سے شیخ حسینہ واجد کے اس فکر وعمل کی بھرپور مخالفت اور مزاحمت ہو رہی ہے۔ چنانچہ بھارتی ایماء پر وہ ان دونوں جماعتوں کے رہنماؤں اور سرگرم کارکنوں کو سب وشتم کا نشانہ بنا رہی ہے۔ دسمبر 2008ء میں اس کے برسر اقتدار آنے کے بعد سے اب تک بنگلہ دیش فی الحقیقت ایک بہت بڑی جیل کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ وہاں 2012ء کے دوران 229,585 افراد کو سیاسی بنیادوں پر گرفتار کر کے جبر وتشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ 2013ء میں یہ تعداد دوگنا ہو گئی۔ حکومت کے ان ظالمانہ ہتھکنڈوں کے خلاف احتجاج کرنے والے اسلام پسند نوجوانوں کی دونوں ٹانگوں اور کہنیوں پر اتنے قریب سے گولیاں ماری جاتی ہیں کہ وہ زندگی بھر کیلئے اپاہج ہو جاتے ہیں۔ وہاں آزادیٔ اظہار کا گلا بھی گھونٹا جا چکا ہے۔ 27-اپریل 2010ء کو نجی شعبے کے سب سے بڑے ٹیلی ویژن نیٹ ورک ''چینل ون'' کو حزبِ اختلاف کی خبریں نشر کرنے کی پاداش میں بند کر دیا گیا۔ 11-اپریل 2013ء کو حزبِ اختلاف کے حامی اخبار ''امار دیش'' کے ایڈیٹر کو گرفتار کر کے بری طرح تشدد کا نشانہ بنایا گیا کیونکہ اس نے ''انٹرنیشنل وار کرائمز ٹریبونل'' کے ضمیر فروش جج جسٹس محمد نظام الحق نسیم کی شرمناک اور غیر قانونی گفتگو شائع کر دی تھی۔ 5-مئی 2013ء کو ''ڈی گنتا'' ٹیلی ویژن اور ''اسلامک ٹیلی ویژن'' پر اس لئے پابندی عائد کر دی گئی کیونکہ انہوں نے ایک پر امن احتجاجی دھرنے پر سیکورٹی اہلکاروں کے دھاوا بولنے اور اندھا دھند قتل عام کی تصاویر دکھائی تھیں۔ حکومت نے اس دھرنے میں بیسیوں ہلاک شدگان کی لاشوں کو ہی غائب کر دیا۔ اقوام متحدہ' انسانی حقوق کی بین الاقوامی تنظیموں اور پاکستانیوں کی وزارت خارجہ نے بنگلہ دیش میں پاکستان سے قلبی وابستگی رکھنے والے عناصر پر ڈھائے جانے والے انسانیت سوز مظالم پر مجرمانہ خاموشی اختیار کر رکھی ہے مگر ہم آزمائش کی اس گھڑی میں اپنے بنگلہ دیشی بھائیوں کے ساتھ ہیں اور ان کی حمایت میں ہر فورم پر آواز بلند کرتے رہیں گے۔ انشاء اللہ ظلم کی یہ سیاہ رات چھٹ کر رہے گی اور وہ دن دور نہیں جب شیخ حسینہ واجد بھی اپنے والد کی طرح کیفر کردار تک پہنچ کر رہے گی۔

اقبالؒ کا فارسی کلام کیوں؟

علامہ اقبالؒ کے کلام کا بیشتر حصہ فارسی زبان میں ہے۔ یہ بڑی میٹھی زبان ہے۔ برصغیر میں انگریزوں کی آمد سے قبل یہ مسلمانوں ہی کی زبان نہ تھی بلکہ یہاں کے غیر مسلم بھی یہی زبان استعمال کرتے تھے۔ ہندو قوم میں انگریز حاکموں کے تعاون سے مسلمانوں کے خلاف جو تعصب ابھرا اس نے زبان کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا اور ہندو نئے حاکموں پر دباؤ ڈالنے لگے کہ دفاتر میں فارسی کو ختم کر کے ہندی کو رائج کیا جائے۔ اس طرح برصغیر میں فارسی زبان کو شدید دھچکا لگا اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج پاکستان میں فارسی زبان سمجھنے والوں کی تعداد بہت کم ہے۔ ماہنامہ "نظریۂ پاکستان" میں علامہ اقبالؒ کے فارسی کلام معہ اردو ترجمہ کی اشاعت کا مقصد یہ ہے کہ قوم کو ایک بار پھر فارسی زبان کی طرف مائل کیا جائے۔ (ادارہ)

جہانے از خس و خاشاک درمیاں انداخت

1- بروں کشید ز پیچاک ہست و بود مرا	چہ عقدہ ہا کہ مقام رضا کشود مرا
2- تپید عشق و دریں کشت نابسا معانے	ھزار دانہ فرو کرد تا درود مرا
3- ندانم اینکہ نگاہش چہ دید در خاکم	نفس نفس بعیار زمانہ سود مرا
4- جہانے از خس و خاشاک درمیاں انداخت	شرارۂ دلکے داد و آزمود مرا
5- پیالہ گیر ز دستم کہ رفت کار از دست	کرشمہ بازی ساقی ز من ربود مرا!

1- مجھے موت وحیات یا ہستی ونیستی کے چکر سے باہر نکال لایا (کون نکال لایا مقام رضا نکال لایا) + مقام رضا نے میرے کیسے کیسے عقدے کھول دیئے (مقام رضا اس مقام کو کہتے ہیں جہاں پر بندہ ہر شے کو خدا کی منشا سمجھتا ہوا اسے بہ ہنسی خوشی قبول کر لیتا ہے)۔

2- عشق تڑپا اس نے اس کھیت میں جو بے سروسامان تھا یعنی جس میں کوئی فصل نہیں تھی + ہزار دانے ڈالے پھر کہیں جا کر مجھے کاٹا (اس شعر میں تخلیق کائنات اور تخلیق آدم کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے جس کے مطابق پہلے صرف خدا تھا باقی کچھ نہ تھا۔ پھر خالق نے کائنات پیدا کی اور اس میں زندگی نے جمادات، نباتات اور حیوانات کے کئی ارتقائی مراحل طے کیے تا آنکہ حیات آدم کے روپ میں ظاہر ہوگئی۔

3- میں نہیں جانتا کہ اس نے یعنی میرے خالق کی نگاہ نے میری مٹی یعنی جسم خاکی کے اندر کیا دیکھا + کہ اس نے میرے ہر ہر سانس پر مجھے زمانے کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھا (کہ میں اس کے شاہکار عظیم ہونے کے قابل بھی ہوں)۔ مراد ہے ہر زمانے میں مجھے آزمائش کی کٹھالی میں ڈالا۔ غالباً یہ جاننے کے لیے ہر لمحہ میری امتحان کی آگ میں ڈال کر پرکھ کی گئی کہ یہ خالص سونا ہی ہے یا اس میں کوئی کمی اور کھوٹ آ گیا ہے۔ انسان کی زندگی کا ہر لمحہ اس کے لئے آزمائش کی بھٹی ہے۔ اسے خود کو آدمیت وانسانیت کے خالص سونے کی شکل میں قائم رکھنے کے لیے ہر قسم کی کوشش کرنی پڑتی ہے ورنہ نفس اسے پیتل اور مٹی بنا دیتا ہے۔

4- میرے درمیان خس وخاشاک کا ایک جہان ڈال دیا گیا یعنی مجھے پیدا کر کے اس جہان میں بھیج دیا گیا جس کی قدر و قیمت میرے نزدیک گھاس پھوس کے تنکوں سے زیادہ نہیں + (مجھے بھیجا کس انداز میں گیا) مجھے ایک چھوٹے سے دل کی چنگاری دے دی اور یوں میری آزمائش کی (کہ دیکھئے اس شرارے سے یہ جہان کی خس و خاشاک کو جلاتا ہے یا خود کو جلا دیتا ہے۔ جہان کو اپنے تابع کرتا ہے یا خود جہان کے تابع ہو جاتا ہے)۔

5- پیالہ میرے ہاتھ سے لے لے کہ مجھے اپنے آپ پر قابو نہیں رہا + ساقی کے ناز اور نخرے نے مجھے مجھ سے اچک لیا مراد ہے محبوب حقیقی کی جلوہ آرائی نے مجھے یوں جذب کر رکھا ہے کہ مجھے کسی قسم کا ہوش ہی نہیں۔ سچ ہے جسے ساقی کی آنکھوں کی شراب مست کر دے اسے شراب کے پیالے کی کیا ضرورت ہے۔

زبورِ عجم - صفحہ نمبر 21 | شارح: ڈاکٹر الف دال نسیم | ناشر: شیخ محمد بشیر اینڈ سنز، اردو بازار - لاہور

روزِ ازل ہی کو جب زمین کا سبزہ زار فرش اور آسمان کی نیلگوں چھت تیار ہوئی تھی اور اس میں سورج کا روشن چراغ اور چاند کی خوشنما قندیل جلائی گئی تھی یہ بات نوشتہ الٰہی میں لکھ دی گئی کہ صبح وشام کی تبدیلیوں اور شب وروز کے الٹ پھیر سے ہفتہ اور پھر جو مہینہ وجود میں آتا ہے وہ بارہ ہیں۔ جن میں چار مہینے بڑے ہی مبارک ومحترم ہیں۔ چنانچہ خلاق عالم اپنی آخری کتاب کی سورت برات میں یوں گویا ہوتا ہے کہ ''بیشک مہینوں کی تعداد اللہ کے نزدیک اللہ کے حکم میں بارہ ہے جس دن اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ان میں چار حرمت والے مہینے ہیں۔''

(سورۃ التوبہ)

کسی شاعر نے اس بات کو یوں بیان کیا ہے۔

سورۂ توبہ میں فرماتا ہے رب
سال اندر چار ہیں ماہ ادب
وہ مہینے ہیں بہت با احترام
قتل وجنگ وظلم ان میں ہے حرام

ان میں سے محرم کا مہینہ بڑا ہی قابل احترام ہے۔ اس کا احترام جاہلیت کے تاریک ترین زمانے میں بھی باقی تھا۔ ریگزار عرب کے بدو جو علم سے دور اور عقل سے بیگانہ، وحشت سے قریب اور جنگ وجدال کے رسیا ودلدادہ تھے وہ بھی ان مہینوں کے احترام میں قتل وقتال، جنگ وجدال، کشت وخون، لوٹ مار اور غارت گری ورہزنی سے باز رہتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ محرم کے مہینہ کو محرم الحرام کہا جاتا ہے کہ اس میں معرکہ کارزار گرم کرنا اور انسانوں کے خون کی ہولی کھیلنا حرام ہے۔

اس مبارک مہینہ کی دسویں تاریخ تو گویا خوبیوں اور فضیلتوں کا گلدستہ ہے کہ اسی دن پیغمبر جلیل موسیٰ علیہ السلام کلیم اللہ نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو فرعون کے ظالمانہ وجابرانہ شکنجہ اور غلامی کی ذلت آمیز قید وسلاسل سے آزاد کرایا۔ اس دن کی فضیلت کیلئے اس سے بڑھ کر اور کیا شہادت ہوسکتی ہے کہ رمضان المبارک کے بعد اسی دن کے روزہ کو افضلیت حاصل ہے۔ چنانچہ پیغمبر اسلام محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح بیان فرماتے ہیں جس کا مفہوم ہے۔

''رمضان کے مہینہ کے بعد محرم کے مہینہ کا روزہ افضل ترین روزہ ہے۔''

(صحیح مسلم)

لہٰذا یہ دن تو وہ دن ہے کہ اللہ کا بندہ کمال بندگی کے ساتھ اپنے رب کی محبت میں سرشار ہوکر اس کی اطاعت وفرمانبرداری میں ہمہ تن مشغول ہوجائے۔ انتہائی عجز ونیاز کے ساتھ اپنی عبادت اور اعمال صالحہ کا نذرانہ اس کے دربار عالی میں پیش کرے اور روزہ ونماز، ذکر وتسبیح کے ذریعے

> آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو یہودیوں کو محرم کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ تم اس روز کیوں روزہ رکھتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ یہ ہماری نجات کا دن ہے۔ اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دلائی۔ اس دن حضرت موسیٰؑ نے شکرانے کے طور پر روزہ رکھا۔ آپؐ نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہم تم سے زیادہ موافقت رکھنے کے حقدار ہیں۔ اس لئے نبی اکرمؐ نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کرام رضوان عنہم کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (بخاری ومسلم)

اس کی خوشنودی ورضامندی کا جویا وطلبگار ہو۔ رسول اکرمؐ نے حج کے خطبہ میں فرمایا جس کا مفہوم ہے کہ۔ زمانہ گھوم کر اپنی اصلیت پر آ گیا ہے سال کے بارہ مہینے ہوا کرتے ہیں جن میں سے چار حرمت وادب والے ہیں تین تو پے در پے ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم الحرام اور چوتھا رجب المرجب جو جمادی الآخر اور شعبان کے درمیان ہے۔ (بخاری ومسلم)

اسلام سے پہلے لوگ عاشورہ کا روزہ رکھتے تھے اور اس کے خاتمہ پر عید کرتے تھے۔ ابتدائے اسلام میں عاشورہ کا روزہ فرض تھا جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہو گئے تب عاشورہ کے روزے کی فرضیت منسوخ ہو گئی جس کا دل چاہے رکھے جی نہ چاہے تو نہ رکھے۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو یہودیوں کو محرم کا روزہ رکھتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: ''تم اس روز کیوں روزہ رکھتے ہو؟'' انہوں نے جواب دیا کہ یہ ہماری نجات کا دن ہے۔ اس دن اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دلائی۔ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام نے شکرانے کے طور پر روزہ رکھا۔ آپؐ نے فرمایا: حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہم تم سے زیادہ موافقت رکھنے کے حقدار ہیں۔ اس لئے نبی اکرمؐ نے خود بھی روزہ رکھا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ (بخاری ومسلم)

لیکن یہودیوں کی مشابہت سے بچنے کیلئے آپ نے فرمایا کہ

''اگر میں زندہ رہا تو محرم کی نویں اور دسویں کا روزہ رکھوں گا۔''

مگر آئندہ سال آپ محرم کے آنے سے پہلے خالق حقیقی سے جا ملے لیکن یہ حکم باقی رہا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ عنہم نے عمل کیا لہٰذا محرم کی نویں دسویں یا دسویں گیارہویں یعنی دو دن کا روزہ رکھنا چاہیے۔ رسول اکرمؐ نے فرمایا جس کا مفہوم ہے کہ عاشورہ کا روزہ رکھو اور یہودیوں کی مخالفت کرو۔ دسویں کے ساتھ ایک دن اور روزہ رکھو چاہے ایک دن پہلے ہو یا ایک دن بعد کا۔

ماہ محرم کی فضیلت اس لحاظ سے بھی ہے کہ یہ سن ہجری (اسلامی سال) کا پہلا مہینہ ہے جس کی بنیاد سرور کائنات کے واقعہ ہجرت پر ہے لیکن اس کا تقرر اور آغاز استعمال 17 ہجری میں عہد فاروقی سے ہوا۔ یمن کے گورنر

ماہِ محرم کی فضیلت اس لحاظ سے بھی ہے کہ یہ اسلامی سال کا پہلا مہینہ ہے جس کی بنیاد سرور کائناتؐ کے واقعہ ہجرت پر ہے لیکن اس کا تقرر اور آغاز استعمال 17 ہجری میں عہد فاروقی سے ہوا۔ 17 ہجری میں حضرت ابوموسیٰؓ کی جانب سے تاریخ کا تعین نہ ہونے کی طرف توجہ دلانے پر سیدنا عمر فاروقؓ نے مجلس شوریٰ کا اجلاس بلایا اور ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا۔ طے یہ پایا کہ اپنے سن تاریخ کی بنیاد واقعہ ہجرت کو بنایا جائے اور اس کی ابتداء محرم سے کی جائے کیونکہ 13 نبوی کے ذوالحجہ کے بالکل آخر میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا منصوبہ طے کر لیا گیا تھا اور اس کے بعد جو چاند طلوع ہوا وہ محرم کا تھا

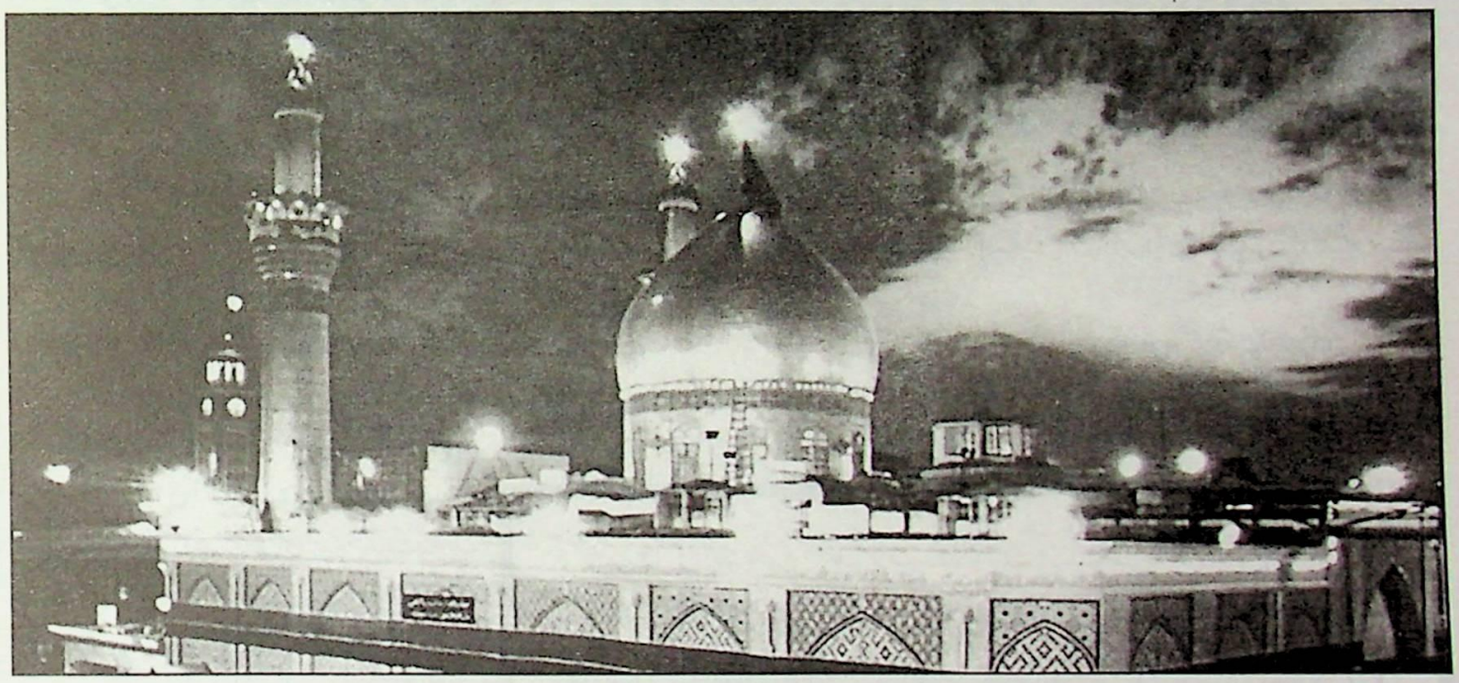

محرم کا مہینہ بڑا ہی قابل احترام ہے۔ اس کا احترام جاہلیت کے تاریک ترین زمانے میں بھی تھا۔ ریگزار عرب کے بدو جو علم سے دور اور عقل سے بیگانہ، وحشت سے قریب اور جنگ وجدال کے رسیا ودلدادہ تھے وہ بھی ان مہینوں کے احترام میں قتل وقتال، جنگ وجدال، کشت وخون، لوٹ مار اور غارت گری ورہزنی سے باز رہتے تھے

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے احکامات آتے تھے جن پر تاریخ کا اندراج نہیں ہوتا تھا۔ چنانچہ 17 ہجری میں ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے توجہ دلانے پر سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے مجلس شوریٰ کا اجلاس بلایا اور ان کے سامنے یہ مسئلہ رکھا۔ طے یہ پایا کہ اپنے سن تاریخ کی بنیاد واقعہ ہجرت کو بنایا جائے اور اس کی ابتداء محرم سے کی جائے کیونکہ 13 نبوی کے ذوالحجہ کے بالکل آخر میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کا منصوبہ طے کر لیا گیا تھا اور اس کے بعد جو چاند طلوع ہوا وہ محرم کا تھا۔

مسلمانوں کا سن ہجری اپنے معنی ومفہوم کے اعتبار سے منفرد حیثیت کا حامل ہے۔ دوسرے مذاہب میں جو سن رائج ہیں وہ یا تو کسی شخصیت کے یوم ولادت کی یاد دلاتے ہیں یا کسی قومی واقعہ کی مسرت وشادمانی سے وابستہ ہیں۔ نسل انسانی کو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ جیسا کہ سن عیسوی کی ابتداء سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہے۔ یہودی سن حضرت سلیمان علیہ السلام کی فلسطین پر تخت نشینی کے ایک پر شکوہ واقعہ سے وابستہ ہے۔ رومی سن سکندر فاتح اعظم کی پیدائش کو ظاہر کرتا ہے۔ بکرمی سن راجہ بکر ماجیت کی پیدائش کی یاد دلاتا ہے۔ لیکن اسلامی سن ہجری عہد نبوی کے ایسے عظیم الشان واقعہ کی یادگار ہے جس میں ایک سبق پنہاں ہے کہ اگر مسلمان پر اعلائے کلمہ الحق کے بدلے میں مصائب وآلام کے پہاڑ ٹوٹ پڑیں۔ سب لوگ دشمن ہو جائیں، اعزہ واقربا بھی اس کو ختم کرنے پر تل جائیں اس کے دوست احباب بھی اسی طرح تکالیف میں مبتلا کر دیئے جائیں تمام سربرآوردہ لوگ اسے قتل کرنے کا عزم کر لیں، اس پر عرصہ حیات تنگ کر دیا جائے اس کی آواز کو بھی دبانے کی کوشش کی جائے تو اس وقت وہ مسلمان کیا کرے؟ اسلام یہ نہیں کہتا کہ کفر وباطل سے مصالحت کر لی جائے یا حق کی تبلیغ میں رواداری سے کام لیا جائے اور اپنے عقیدے اور نظریے میں نرمی پیدا کر کے ان کے اندر گھل مل جائے تا کہ مخالفت کا زور کم ہو جائے۔ نہیں، بلکہ اسلام ایسی بستی اور شہر پر حجت تمام کر کے ہجرت کا حکم دیتا ہے۔

اسی واقعہ ہجرت پر سن ہجری کی بنیاد ہے جو نہ تو کسی انسانی فوقیت وبرتری کو یاد دلاتی ہے اور نہ ہی کسی پر شکوہ واقعہ کو... بلکہ مظلومی وبے بسی کی ایسی یادگار ہے جو ثابت قدمی، عزم واستقلال، صبر واستقامت اور رضائے الٰہی پر راضی ہونے کی زبردست مثال اپنے اندر پنہاں رکھتا ہے۔

یہ واقعہ ہجرت ہمیں یاد دلاتا ہے کہ وہ مظلوم، بے کس، بے بس اور لاچار مسلمان کس طرح اپنے مشن میں کامیاب ہوئے اور کس طرح وہ خارستان میں گئے، بیابان اور جنگل میں گئے اپنے آبلوں سے کانٹوں سے تواضع کی، صرصر کو دیکھا وسموم کو دیکھا، لو اور دھوپ کو دیکھا، تپتی ریت اور دہکتے کوئلوں کو ٹھنڈا کیا، جسم پر چرکے کھائے، سینے پر زخم سجائے، آخر منزل مقصود پر پہنچ کر دم لیا، کامرانی وشادمانی کا زریں تاج اپنے سر پر رکھا اور پستی وگمنامی سے نکل کر رفعت وشہرت اور عزت وعظمت کے بام عروج پر پہنچ گئے۔ لیکن سوائے ناکامی آج ہم نے ہجرت کے حقیقی درس کو فراموش کر دیا اور خود ساختہ بدعات وخرافات سے نئے سال کی ابتداء کرتے ہیں۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی اس ماہ محرم الحرام میں ہوئی۔ واقعہ کربلا رسول اکرمؐ کی وفات سے تقریباً پچاس برس بعد پیش آیا۔ اس معرکہ میں حق کو فتح حاصل ہوئی۔

محرم الحرام کی 10 تاریخ کو یوم عاشور کہتے ہیں۔ اس دن اطاعتِ خداوندی بجالانے والوں کو حق تعالیٰ بہت بلند مقام سے نوازتا ہے۔ علماء کرام فرماتے ہیں کہ عاشورہ کو عاشورہ اس لئے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس دن دس انبیاء کرام کو دس اعزاز عطا فرمائے۔ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی۔ حضرت ادریس علیہ السلام کو بلند مکان پر اٹھایا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیدا فرمایا۔ اسی دن ان کو نارِ نمرود سے نجات عطا فرمائی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی، حضرت سلیمان علیہ السلام کی بادشاہی ان کو لوٹا دی، حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری دور کر دی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دریا سے نجات دی اور فرعون کو دریا میں غرق کیا۔ حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے پیٹ سے باہر نکالا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اسی دن آسمان پر اٹھایا، اسی دن قیامت برپا ہوگی اور آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مقام محمود عطا فرمایا جائے گا۔

عاشورہ کے دن کئے جانے والے دس اعمال ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے قرب کا باعث ہیں۔ 1۔ روزہ رکھنا 2۔ نفلی عبادت کرنا 3۔ یتیم کے سر پر ہاتھ رکھنا 4۔ توبہ واستغفار کرنا (قبرستان جانا) 5۔ غسل کرنا 6۔ سرمہ لگانا 7۔ بیمار کی بیمار پرسی کرنا 8۔ پیاسے کو پانی پلانا 9۔ صدقہ وخیرات کرنا 10۔ دسترخواں کشادہ کرنا (غنیۃ الطالبین)۔

سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ کی شہادت بھی اس ماہ محرم الحرام میں ہوئی۔ واقعہ کربلا رسول اکرمؐ کی وفات سے تقریباً پچاس برس بعد پیش آیا اور اس معرکہ میں حق کو فتح حاصل ہوئی

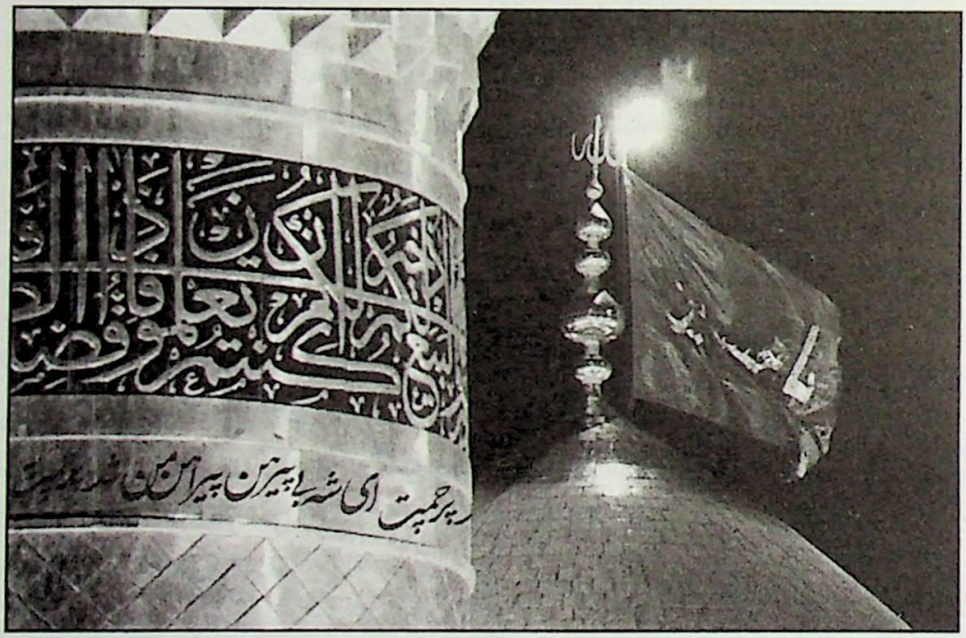

خطبہ الٰہ آباد

اسلام کی فلاح و بہبود کے خیال سے منظم اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کر رہا ہوں

1930ء میں مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس منعقدہ الٰہ آباد میں مفکر پاکستان علامہ محمد اقبالؒ کے تاریخ ساز خطاب سے اقتباس

''بایں ہمہ یہ امر کس قدر افسوسناک ہے کہ اب تک ہم نے باہمی تعاون و اشتراک کی جس قدر کوششیں کی ہیں' سب ناکام ثابت ہوئی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ہماری ناکامی کا باعث کیا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ شائد ہمیں ایک دوسرے کی نیتوں پر اعتماد نہیں اور باطناً ہم غلبہ و اقتدار کے خواہش مند ہیں یا یہ ممکن ہے کہ ہم اتحاد و تعاون کے مقاصد عالیہ کے لیے اتنا ایثار بھی نہیں کر سکتے کہ اب تک جو اجارات ہمیں کسی نہ کسی طرح حاصل ہو گئے ہیں' ان سے دست بردار ہو جائیں۔ ہم اپنی نفسانیت کو قومیت کے نقاب میں چھپاتے ہیں اور اگرچہ ظاہری طور پر ہمیں ایک نہایت ہی روادارانہ حب الوطنی کا ادعا ہے لیکن دلوں میں ذات پات کی تنگی اور فرقہ آرائی کی ہوس بدستور کام کر رہی ہے۔ ہم لوگ اس اصول کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں کہ ہر جماعت کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنی تہذیب و تمدن کے نشو و نما میں آزادی کے ساتھ قدم بڑھائے لیکن ہماری ناکامی کے اسباب کچھ بھی ہوں میرا دل اب بھی اُمید سے لبریز ہے۔ واقعات کا رجحان بہرکیف ہمارے داخلی اتحاد اور اندرونی ہم آہنگی کی جانب نظر آتا ہے اور جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے مجھے یہ اعلان کرنے میں مطلق تامل نہیں کہ اگر فرقہ وارانہ امور کے ایک مستقبل اور پائیدار تصفیے کے اس بنیادی اصول کو تسلیم کر لیا جائے کہ مسلمانانِ ہندوستان کو اپنی روایات و تمدن کے ماتحت اس ملک میں آزادانہ نشو و نما کا حق حاصل ہے تو وہ اپنے وطن کی آزادی کے لیے بڑی سے بڑی قربانی سے بھی دریغ نہیں کریں گے۔ یہ اصول کہ ہر فرد اور جماعت اس امر کی مجاز ہے کہ وہ اپنے عقائد کے مطابق آزادانہ ترقی کرے کسی تنگ نظر فرقہ واریت پر مبنی نہیں۔ فرقہ واری کی بھی بہت سی صورتیں ہیں جو فرقہ واری دوسری قوموں سے نفرت اور ان کی بدخواہی کی تعلیم دے اس کے ذلیل اور ادنیٰ ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ میں دوسری قوموں کے رسوم و قوانین اور ان کے معاشرتی میرے اوضاع و اطوار اور میری زندگی کا سرچشمہ ہے اور جس نے اپنے دین اور اپنے ادب' اپنی حکمت اور اپنے تمدن سے بہرمند کر کے مجھے وہ کچھ عطا کیا جس سے میری موجودہ زندگی کی تشکیل ہوئی۔ یہ اسی کی برکت ہے کہ میرے ماضی نے از سرِ نو زندہ ہو کر مجھ میں یہ احساس پیدا کر دیا ہے کہ وہ اب بھی میری ذات میں سرگرمِ کار ہے۔ نہرو رپورٹ کے واضعین تک نے بھی فرقہ واری کے اس پہلو کا اعتراف کیا ہے۔ علیحدگیٔ سندھ کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے اُنھوں نے لکھا ہے:۔

> مغربی ممالک کی طرح ہندوستان کی یہ حالت نہیں کہ اس میں ایک ہی قوم آباد ہو' وہ ایک ہی نسل سے تعلق رکھتی ہو اور اس کی زبان بھی ایک ہو۔ ہندوستان مختلف اقوام کا وطن ہے جن کی نسل' زبان' مذہب سب ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ ان کے اعمال و افعال میں وہ احساس پیدا ہی نہیں ہو سکتا جو ایک ہی نسل کے مختلف افراد میں موجود رہتا ہے

اور مذہبی اداروں کی دل سے عزت کرتا ہوں بلکہ بحیثیت مسلمان میرا یہ فرض ہے کہ اگر ضرورت پیش آئے تو احکام قرآنی کے حسبِ اقتضا میں ان کی عبادت گاہوں کی حفاظت کروں۔ بایں ہمہ مجھے اس جماعت سے دلی محبت ہے جو

''یہ کہنا قومیت کے وسیع نقطۂ نگاہ کے ماتحت کسی فرقہ وارانہ صوبہ کا قیام مناسب نہیں، بالکل ایسا ہے جیسے یہ دعویٰ کہ بین الاقوامی نصب العین کا تقاضا ہے کہ علیحدہ علیحدہ قوموں کا وجود قائم نہ رہے۔ ان

دونوں بیانات میں ایک حد تک صداقت موجود ہے۔ لیکن بین الاقوامی نصب العین کے سرگرم سے سرگرم حامیوں کو بھی اس امر کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ قوموں کی پوری پوری آزادی کے بغیر کسی بین الاقوامی ریاست کا وجود قائم کرنا مشکل ہے۔ اسی طرح مکمل تمدنی آزادی کے بغیر اور یاد رکھئے کہ اپنی ارفع اور اعلیٰ صورت میں فرقہ واری سوائے تمدن کے اور کچھ نہیں' ایک ہم آہنگ اور متوازن قوم کا پیدا کرنا بھی ناممکن ہے۔''

ہندوستان کے اندر ایک اسلامی ہندوستان

لہٰذا ثابت ہوا کہ ہندوستان میں ایک متوازن اور ہم آہنگ قوم کی نشوونما کی طرح مختلف ملتوں کا وجود ناگزیر ہے۔ مغربی ممالک کی طرح ہندوستان کی یہ حالت نہیں کہ اس میں ایک ہی قوم آباد ہو' وہ ایک ہی نسل سے تعلق رکھتی ہو اور اس کی زبان بھی ایک ہو۔ ہندوستان مختلف اقوام کا وطن ہے جن کی نسل' زبان' مذہب سب ایک دوسرے سے الگ ہیں۔ ان کے اعمال وافعال میں وہ احساس پیدا ہی نہیں ہو سکتا جو ایک ہی نسل کے مختلف افراد میں موجود رہتا ہے۔ غور سے دیکھا جائے تو ہندوستان بھی تو کوئی واحد الجنس قوم نہیں۔ پس یہ امر کسی طرح نامناسب نہیں کہ مختلف ملتوں کے وجود کا خیال کیے بغیر ہندوستان کے اندر ایک اسلامی ہندوستان قائم کریں۔ میری رائے میں آل پارٹیز مسلم کانفرنس کی قراردادوں سے اسی بلند نصب العین کا اظہار ہوتا ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ مختلف ملتوں کے وجود کو فنا کیے بغیر ان سے ایک متوافق اور ہم آہنگ قوم تیار کی جائے تاکہ وہ آسانی کے ساتھ اپنی ان صلاحیتوں کو جو ان کے اندر مضمر ہیں عمل میں لاسکیں۔

مجھے یقین ہے کہ یہ اجتماع ان تمام مطالبات کی جو اس قرارداد میں موجود ہیں' نہایت شدومد سے تائید کرے گا۔ ذاتی طور پر تو میں ان مطالبات سے بھی ایک قدم آگے بڑھنا چاہتا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد' سندھ اور بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے۔ خواہ یہ ریاست سلطنت برطانیہ کے اندر حکومت خود اختیاری حاصل کرے' خواہ اس کے باہر مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ اور نہیں تو شمالی مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو بالآخر ایک منظم اسلامی ریاست قائم کرنا پڑے گی۔ اس تجویز کو نہرو کمیٹی میں بھی پیش کیا گیا تھا لیکن اراکین مجلس نے انہیں اس بناء پر روک دیا کہ اگر اس قسم کی کوئی ریاست قائم ہوئی تو اس کا رقبہ اس قدر وسیع ہوگا کہ اس کا انتظام کرنا دشوار ہو جائے گا۔ بیشک اگر رقبہ کا لحاظ کیا جائے تو اراکین مجلس کا یہ خیال صحیح ہے لیکن آبادی پر نظر کی جائے تو اس ریاست کے باشندوں کی تعداد اس وقت کے بعض ہندوستانی صوبوں سے بھی کم ہوگی۔ غالباً قسمت انبالہ یا اس قسم کے دوسرے اضلاع کو الگ کر دینے سے جن میں ہندو آبادی کا غلبہ ہے اس کی وسعت اور انتظامی مشکلات میں اور بھی کمی ہو جائے گی۔ پھر ان اضلاع کی علیحدگی سے غیر مسلم اقلیتوں کے حقوق کہیں زیادہ محفوظ ہو جائیں گے۔ اس تجویز کو سن کر نہ انگریزوں کو پریشان ہونا چاہیے نہ ہندوؤں کو۔ ہندوستان دنیا میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے زندہ رہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقہ میں اپنی مرکزیت قائم کر سکے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے اس زندہ اور جاندار طبقہ کی مرکزیت کی بدولت جس نے دولتِ برطانیہ کی ناانصافیوں کے باوجود فوج اور پولیس میں شریک ہو کر انگریزوں کو اس قابل بنایا ہے کہ وہ اس ملک پر اپنی حکومت قائم رکھیں ہندوستان کا مسئلہ حل ہو جائے گا بلکہ اس سے خود مسلمانوں کے احساسات ذمہ داری قوی ہو جائے گی اور ان کا جذبہ حب الوطنی بڑھ جائے گا۔ اگر شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو اس امر کا موقع دیا گیا کہ وہ ہندوستان کے جسدِ سیاسی کے اندر رہ کر اپنے نشوونما ارتقاء میں آزادانہ قدم اُٹھا سکیں تو وہ تمام بیرونی حملوں کے خلاف خواہ وہ حملہ بزورِ قوت ہو یا بزورِ خیالات ہندوستان کے بہترین محافظ ثابت ہوں گے۔ پنجاب میں مسلمانوں کی آبادی 56 فیصدی ہے، لیکن ہندوستان کی پوری فوج میں ہمارا حصہ 54 فیصدی ہے، اور اگر عساکر ہند کی کل تعداد میں سے ان 19 ہزار گورکھوں کو جو نیپال کی آزاد ریاست سے بھرتی کیے جاتے ہیں نکال دیا جائے تو مسلمانوں کی تعداد 62 فیصدی ہو جائے گی، حالانکہ اس اندازہ میں وہ چھ ہزار جنگجو شامل نہیں ہیں جو بلوچستان اور صوبہ سرحد ہی سے بھرتی کیے جاتے ہیں۔ اس سے آپ ان تمام صلاحیتوں کا بآسانی اندازہ کر سکیں گے جو شمال مغربی ہندوستان کی مسلم آبادی میں موجود ہیں اور جن کی بدولت وہ تمام ہندوستان کو غیر ملکی چیرہ دستیوں سے محفوظ و مامون رکھ سکتی ہے۔ رائٹ آنریبل مسٹر سری نواس شاستری کا خیال ہے کہ مسلمانوں کا

> میری خواہش ہے کہ پنجاب، صوبہ سرحد، سندھ اور بلوچستان کو ایک ہی ریاست میں ملا دیا جائے۔ خواہ یہ ریاست سلطنت برطانیہ کے اندر حکومت خود اختیاری حاصل کرے خواہ اس کے باہر۔ مجھے تو ایسا نظر آتا ہے کہ اور نہیں تو شمال مغربی ہندوستان کے مسلمانوں کو آخر ایک منظم اسلامی ریاست قائم کرنا پڑے گی

مطالبہ کہ شمال مغربی سرحد کے ساتھ مل کر خودمختار اسلامی ریاستیں قائم کی جائیں ان کی اس خواہش کا اظہار کرتا ہے کہ اگر ضرورت پیش آئے تو حکومت ہند پر زور ڈالا جا سکے۔ میں یہ عرض کروں گا کہ مسلمانانِ ہندوستان کے دل میں اس قسم کا کوئی جذبہ موجود نہیں ہے۔ ان کا مدعا صرف

> مسلمانانِ ہند کا مُدعا صرف اس قدر ہے کہ وہ اپنی ترقی کی راہ میں آزادی کے ساتھ قدم بڑھائیں، لیکن اس مرکزی حکومت کے ماتحت ممکن نہ ہوگا جسے قوم پسند ہندو اربابِ سیاست محض اس لیے قائم کرنا چاہتے ہیں کہ دوسری ملتوں پر ہمیشہ کے لیے اُن کا غلبہ ہو جائے

اس قدر ہے کہ وہ اپنی ترقی کی راہ میں آزادی کے ساتھ قدم بڑھائیں، لیکن اس مرکزی حکومت کے ماتحت ممکن نہ ہو گا جسے قوم پسند ہندو اربابِ سیاست محض اس لیے قائم کرنا چاہتے ہیں کہ دوسری ملتوں پر ہمیشہ کے لیے اُن کا غلبہ ہو جائے۔

بہرحال ہندوؤں کے دل میں اس قسم کا خدشہ نہیں ہونا چاہیے کہ آزاد اسلامی ریاستوں کے قیام سے ایک طرح کی مذہبی حکومت قائم ہو جائے گی۔ میں ابھی عرض کر چکا ہوں کہ اسلام میں مذہب کا مفہوم کیا ہے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ اسلام کوئی کلیسائی نظام نہیں بلکہ یہ ایک ریاست ہے جس کا اظہار روسو سے بھی کہیں پیشتر ایک ایسے وجود میں ہوا جو عقدِ اجتماعی کا پابند ہو۔ ریاستِ اسلامی کا انحصار ایک اخلاقی نصب العین پر ہے جس کا یہ عقیدہ ہے کہ انسان شجر و حجر کی طرح کسی خاص زمین سے وابستہ نہیں، بلکہ وہ ایک روحانی ہستی ہے جو ایک اجتماعی ترکیب میں حصہ لیتا ہے اور اس کے ایک زندہ جزو کی حیثیت سے چند فرائض اور حقوق کا ملک ہے۔ اسلامی ریاست کی نوعیت کا اندازہ ''ٹائمز آف انڈیا'' کے اس افتتاحیہ سے کیا جا سکتا ہے جس میں لکھا ہے کہ قدیم ہندوستان میں ریاست کا یہ فرض تھا کہ سود کے متعلق قوانین بنائے، لیکن باوجود اس کے کہ اسلام میں سود لینا حرام ہے اسلامی حکومت نے شرحِ سود پر کوئی پابندیاں عائد نہیں کیں۔ میں صرف ہندوستان اور اسلام کے فلاح و بہبود کے خیال سے ایک منظم اسلامی ریاست کے قیام کا مطالبہ کر رہا ہوں۔ اس سے ہندوستان کے اندر توازنِ قوت کی بدولت امن و امان قائم ہو جائے گا اور اسلام کو اس امر کا موقع ملے گا کہ وہ ان اثرات سے آزاد ہو کر جو عربی شہنشاہیت کی وجہ سے اب تک اس پر قائم ہیں اس جمود کو توڑ ڈالے جو اس کی تہذیب و تمدن، شریعت اور تعلیم پر صدیوں سے طاری ہے۔ اس سے نہ صرف ان کے صحیح معانی کی تجدید ہو سکے گی بلکہ وہ زمانہ حال کی روح سے بھی قریب تر ہو جائیں گے۔

فیڈرل ریاستیں:-

میرے خیال میں اب یہ حقیقت اچھی طرح سے واضح ہو گئی ہے کہ ہندوستان کی آئندہ حکومت کے لیے کسی مستقل لسانی عقائد و معاشرت کے اختلافات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسی آزاد ریاستیں قائم کر دیں جو زبان، نسل، تاریخ، مذہب اور اقتصادی مفاد کے اشتراک پر مبنی ہوں۔ سائمن رپورٹ کے اندر فیڈریشن کا جو تصور قائم کیا گیا ہے اس کے ماتحت بھی ضروری ہے کہ مرکزی مجلسِ وضع قوانین کا انتخاب عوام سے عمل میں نہ آئے بلکہ وہ فیڈرل ریاستوں

کے نمائندوں پر مشتمل ہو۔ سائمن رپورٹ کی رو سے تقریباً انھی اصولوں کی بنا پر جن کا اظہار میں نے کیا ہے صوبوں کی تقسیم بھی از سرِ نو ہو جانی چاہیے۔ میں ان دونوں تجاویز کی دل سے تائید کرتا ہوں بلکہ اس کے ساتھ ہی یہ بھی عرض کروں گا کہ صوبوں کی جدید تقسیم سے پیشتر دو شرطوں کا پورا ہو جانا ضروری ہے۔ اولاً یہ تقسیم نئے دستور کے اجراء سے پہلے مکمل ہو جانی چاہیے۔ ثانیاً اس کی نوعیت ایسی ہو کہ اس سے فرقہ وارانہ مسائل ہمیشہ کے لیے طے ہو جائیں۔ اگر صوبوں کی تقسیم کسی صحیح اصول کی بناء پر ہو گئی تو اس سے مخلوط اور جداگانہ انتخابات کا مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل ہو جائے گا۔ میری رائے میں اس سارے جھگڑے کی بناء صوبوں کی

> ہندوستان دنیا میں سب سے بڑا اسلامی ملک ہے اور اگر ہم چاہتے ہیں کہ اس ملک میں اسلام بحیثیت ایک تمدنی قوت کے زندہ رہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقہ میں اپنی مرکزیت قائم کر سکے

موجودہ تقسیم پر ہے۔ ہندوؤں کا خیال ہے کہ جداگانہ انتخاب کا اصول قومیت کے منافی ہے ان کے نزدیک لفظ قومیت کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ ہندوستان کے تمام باشندے باہم اس طرح خلط ملط ہو جائیں کہ ان کے اندر کسی مخصوص ملت کا انفرادی وجود باقی نہ رہے، لیکن ہندوستان کی یہ حالت نہیں اور نہ ہم اس کے آرزومند ہیں۔ ہندوستان میں مختلف اقوام اور مختلف مذاہب موجود ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اگر مسلمانوں کی معاشی پستی، ان کی بے حد مقروضیت (بالخصوص پنجاب میں) اور بعض صوبوں میں ان کی ناکافی اکثریتوں کا خیال کر لیا جائے تو آپ کی سمجھ میں آ جائے گا کہ مسلمان جداگانہ انتخاب کے لیے کیوں مضطرب ہیں۔ ہندوستان جیسے ملک میں اور خاص طور سے ان حالات میں جو اس وقت یہاں ہیں اس امر کی توقع رکھنا کہ علاقہ وارانہ انتخابات سے ہر ملت کے مفاد کی پوری پوری نمائندگی ہو سکے گی ناممکن ہے۔ سوائے اس کے کہ تمام اقلیتوں پر ہندوؤں کا غلبہ قائم ہو جائے گا۔ لیکن اگر صوبوں کی تقسیم کسی ایسے اصول کے ماتحت عمل میں آ جائے کہ ہر صوبہ کے اندر تقریباً ایک ہی طرح کی ملتیں بستی ہوں اور ان کی نسل، ان کی زبان، ان کا مذہب اور ان کی تہذیب و تمدن ایک ہو تو مسلمانوں کو مخلوط انتخابات پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔

حقیقت پسند مفکر اور دور اندیش شاعر

علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ

محمد شریف بقا

علامہ محمد اقبالؒ کی فانی خصوصیات میں ایک نمایاں خصوصیت توازن و اعتدال ہے۔ حقیقت پسند مفکر اور دور اندیش شاعر ہونے کی حیثیت سے وہ انتہا پسندانہ رویہ اختیار نہیں کرتے بلکہ متعلقہ موضوع کے اچھے اور برے پہلوؤں کو بیان کرنے کے عادی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں ہمیں عقل کے ساتھ عشق، خودی کے ساتھ بے خودی، فرد کے ساتھ ملت، فکر کے ساتھ عمل اور مغرب کے ساتھ مشرق کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ یہ توازن و اعتدال ان کی مومنانہ بصیرت اور فکری اصابت کا آئینہ دار ہے۔ اس حسین امتزاج نے ان کے اشعار اور افکار میں تنوع، بے پناہ تاثیر اور جاذبیت کی شان پیدا کر دی ہے۔ ایسے متوازن ذہن کے مالک، شاعر اور مفکر کو کسی ایک مکتب خیال سے وابستہ کرنا اس کے ساتھ صریح ناانصافی ہے کیونکہ یہ انداز فکر اس کے کلام کو محدود اور مقامی بنا دینے کے مترادف ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ محض مسلمانوں ہی کے شاعر نہیں بلکہ وہ تمام انسانوں کے ہمدرد و نقیب ہیں۔ ان کی عظمت دراصل اسلامی کی آفاقی تعلیمات کے پیغام کے ابلاغ کی غمازی کرتی ہے۔ یہ کس قدر ستم ظریفی ہے کہ ہم نے انہیں محض ''شاعر مشرق'' ہی تصور کر لیا ہے حالانکہ وہ شاعر آفاق اور شاعر انسانیت ہیں۔

مغربی تہذیب و تمدن پر علامہ محمد اقبالؒ کی تنقید و تنقیص کا عام تذکرہ کیا جاتا ہے لیکن انہوں نے مشرقی پاکستان اور اقوام مشرق پر جو تنقید کی ہے، اسے عموماً نظر انداز کر دیا جاتا ہے یا اس کے کسی ایک دو پہلوؤں کو ہم بیان کر دینا کافی

> ایسے متوازن ذہن کے مالک، شاعر اور مفکر کو کسی ایک مکتب خیال سے وابستہ کرنا اس کے ساتھ صریح ناانصافی ہے کیونکہ یہ انداز فکر اس کے کلام کو محدود اور مقامی بنا دینے کے مترادف ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ محض مسلمانوں ہی کے شاعر نہیں بلکہ وہ تمام انسانوں کے ہمدرد و نقیب ہیں

تصور کرتے ہیں۔ حقیقت پسندی اور اقبال فہمی کا تقاضہ یہ ہے کہ ہم کبھی اپنے گریبان میں جھانک کر اپنی خامیوں اور برائیوں پر نظر ڈال لیا کریں۔ یہ امر قابلِ توجہ ہے کہ مفکر اسلام علامہ اقبالؒ کے کلام میں مغربی تہذیب کے ساتھ ساتھ مشرقی ممالک کو بھی ہدف تنقید بنایا گیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہم اپنے آپ کو تنقید سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ انہوں نے مشرقی حکماء کے غیر قرآنی نظریات کو بھی مورد تنقید قرار دے کر اپنی حقیقت بینی اور قرآنی بصیرت کا ثبوت دیا ہے۔ کیا یہ امر واقعی نہیں کہ انہوں نے مسلمان صوفیاء اور حکماء کے غیر قرآنی تصورات مثلاً یونانیت، رہبانیت، عجمیت اور مغرب کی اندھا دھند تقلید کی شدید مذمت کی ہے۔ اس کے برعکس انہوں نے غیر مسلموں کے افکار و نظریات کے اس پہلو کی بھی تعریف کی ہے جو انہیں قرآنی تعلیمات سے ہم آہنگ دکھائی دیا ہے۔ اس لحاظ سے وہ **خذما صفا ودر ماکدر** (اچھی بات کو لے لو اور بری بات کو چھوڑ دو) کے اصول کے قائل تھے۔ آیئے ہم یہ دیکھیں کہ انہوں نے مشرقی لوگوں اور مشرقی ملکوں کے کن نظریات کو ہدف تنقید بنایا ہے اور اس تنقید کے بڑے بڑے عوامل کیا ہیں۔ اس مختصر مضمون میں صرف چیدہ چیدہ امور کی نشاندہی کی جائے گی۔

علامہ محمد اقبالؒ کے افکار کے عمیق مطالعہ سے یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ وہ غلامی کے سخت

مخالف و ناقد تھے۔ وہ نہ صرف سیاسی غلامی کو ناپسند کرتے تھے بلکہ وہ اقتصادی محکومیت کو بھی کسی قوم اور ملک کے لیے ستم قاتل تصور کرتے تھے۔ انہوں نے مشرقی ممالک خصوصاً مسلم ملکوں کی غلامی کے موضوع پر اپنے کلام میں جا بجا ذکر کیا ہے۔ انہیں اس بات پر سخت رنج تھا کہ خدائے واحد کی حاکمیت کے تصور کی علمبردار امت اپنی خامیوں کی وجہ سے غیر مسلموں کی غلامی کے بندھنوں میں بری طرح جکڑی ہوئی ہے۔ انہوں نے نہ صرف ہندوستان کی محکومیت کا تذکرہ کیا بلکہ مشرق کے اکثر و بیشتر ملکوں کی غلامی پر بھی اظہارِ خیال کیا ہے۔ ہندوستان کے علاوہ ایران، ترکی، عراق، مصر، شام، فلسطین، حجاز اور دیگر مسلم علاقوں پر مغربی علاقوں کی سیادت انہیں ہرگز پسند نہیں تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے مغربی اور یورپی اقوام کی امپیریلزم، سرمایہ داری، لادین سیاست اور انسانیت سوز قدروں سے بے زاری کا اعلان کیا ہے لیکن وہ اس صورت حالات کا ہمیں بھی ذمہ دار گردانتے ہوئے فرماتے ہیں:

مغرب کی غلامی پہ رضا مند ہوا تو
مجھ کو تو گلہ تجھ سے ہے یورپ سے نہیں ہے

مشرق کی سیاسی، فوجی اور اقتصادی محکومیت کے کئی اسباب و عمل ہیں مگر سب سے بڑی وجہ ان کی سائنسی پستی، باہمی انتشار ہے۔ اگر مشرقی ممالک سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں پیچھے نہ رہتے اور وہ باہمی تنازعات میں الجھ کر غیر متحد نہ ہوتے تو وہ آج مغربی قوموں کے دست نگر نہ ہوتے۔ اپنی نظم ''خضر راہ'' میں علامہ محمد اقبالؒ دنیائے اسلام کی اس غلامی، باہمی تفریق اور زبوں حالی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ پرسوز اشعار کہتے ہیں۔

کیا سناتا ہے مجھے ترک و عرب کی داستاں
مجھ سے کچھ پنہاں نہیں اسلامیوں کا سوز و ساز
لے گئے تثلیث کے فرزند میراث خلیل
خشتِ بنیاد کلیسا بن گئی خاک حجاز
ہو گئی رسوا زمانے میں کلاہ لالہ رنگ
جو سراپا ناز تھے ہیں آج مجبورِ نیاز
لے رہا ہے مئے فروشانِ فرنگستان سے پارس
وہ مئے سرکش، حرارت جس کی ہے مینا گداز
حکمت مغرب سے ملت کی یہ کیفیت ہوئی
ٹکڑے ٹکڑے جس طرح سونے کو کر دیتا ہے گاز

انہوں نے صرف غلامی کی نشاندہی ہی نہیں کی بلکہ

> علامہ محمد اقبالؒ کے افکار کے عمیق مطالعہ سے یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتا ہے کہ وہ غلامی کے سخت مخالف و ناقد تھے۔ وہ نہ صرف سیاسی غلامی کو ناپسند کرتے تھے بلکہ وہ اقتصادی محکومیت کو بھی کسی قوم اور ملک کے لیے سم قاتل تصور کرتے تھے

اس سے نجات کا طریقہ بھی بتا دیا ہے۔ ان کی نگاہ میں ذاتی مخفی صلاحیتوں کی بیداری، ذوق یقین اور جذبۂ آزادی کی بدولت محکوم قومیں آزادی سے ہمکنار ہو جایا کرتی ہیں۔

غلامی کی مرض کی تشخیص کے بعد نباض ملت علامہ اقبالؒ اس کا علاج تجویز کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں، نہ تدبیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں
گرم ہو جاتا ہے جب محکوم قوموں کا لہو
تھرتھراتا ہے جہاں چار سو و رنگ و بو
ضربتِ پیہم سے ہو جاتا ہے آخر پاش پاش
حاکمیت کا بت سنگیں دل و آئینہ رو

مفکر اسلام اور ترجمان فطرت علامہ اقبالؒ نے اپنی شاعری اور نثری نگارشات میں ہر قسم کی غلامی کی سخت مذمت کی ہے۔ سیاسی اور معاشی غلامی کے علاوہ وہ ذہنی غلامی اور فکری جمود کے بھی زبردست مخالف تھے۔ یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ وہ زندگی کی اعلیٰ، مصالح اور تعمیری اقدار کی پیروی پر تو زور دیتے ہیں مگر وہ غلط تصورات، باطل نظریات، قوت شکن رجحانات اور منفی میلانات کی تقلید سے اجتناب کی بار بار تلقین کرتے ہیں۔ اگر ہم انسانیت سوز، اخلاق آموز، خودی پرور اور تعمیری کاموں کی تقلید سے بھی دور رہیں تو پھر کاروانِ حیات، جہالت و بربریت کی تاریک وادیوں میں گم ہو کر رہ جائے گا۔ خیر کی طاقتوں کا ساتھ دینا اور شر کی قوتوں کی مزاحمت کرنا انسانیت و اخلاقیات کی اعلیٰ اور قابلِ ستائش قدر تصور کی جاتی ہے۔ اب واضح ہو گیا کہ علامہ محمد اقبالؒ بری تقلید کے مخالف ہیں نہ کہ اچھی تقلید کی۔ میں یہاں صرف سیاسی تقلید اور فکری تقلید کے پہلو پر اظہارِ خیال کروں گا۔ وہ مشرقی قوموں پر اس لیے بھی تنقید کرتے ہیں کہ انہوں نے مغربی تہذیب و سیاست کی بہت سی خرابیوں کو آنکھیں بند کر

> علامہ محمد اقبالؒ مسلمانوں کو مخلصانہ مشورے دیتے ہیں کہ وہ زمانے کے بدلتے ہوئے گوناگوں مسائل اور اہم عصری تقاضوں کے پیش نظر ہر بات کو حرفِ آخر کا درجہ نہ دیں، بلکہ قرآن کے ابدی اور ٹھوس اصولوں کی حدود میں رہ کر اسلاف کی طرح حدیث، اجماع اور قیاس سے رہنمائی پانے کے ساتھ ساتھ خود بھی غور و فکر سے کام لیں

کے قبول کر لیا ہے۔ وہ مغربی تہذیب و تمدن کی لادین سیاست، عقل پرستی، مادیت، قوم پرستی، امپیریلزم، بے روح معاشرت، ملوکیت آمیز، جمہوریت اور سرمایہ داری کے نظام کو ٹھوس دلائل کی بنیاد پر ناپسند کرتے ہیں۔ وہ مشرقی ملکوں خصوصاً مسلم اقوام کو مغرب کی اس غلط تقلید سے بار بار منع

کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ان کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو
آنکھ جن کی ہوئی محکومی و تقلید سے کور
زندہ کر سکتی ہے ایران و عرب کو کیونکر
یہ فرنگی مدنیت کہ جو ہے خود لب گور؟

وہ مغربی جمہوریت کو قلب و نظر کی رنجوری، قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

یہاں مرض کا سبب ہے غلامی و تقلید
وہاں مرض کا سبب ہے نظامِ جمہوری
نہ مشرق اس سے بری ہے نہ مغرب اس سے بری
جہاں میں عام ہے قلب و نظر کی رنجوری

وہ اپنی ایک مایہ ناز فارسی تصنیف ''جاوید نامہ'' میں مسلم ممالک اور مشرق کی مغربی تقلید کے چند اہم حقائق کو یوں منکشف کرتے ہیں:

در ضمیر ملت گیتی شکن
دیدہ ام آویزش دین و وطن
روح در تن مردہ از ضعف یقیں
نا امید از قوتِ دین مبین

فوقیت کا آئینہ دار قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

قوت مغرب نہ از چنگ و رباب
نے ز رقص و خترانِ بے حجاب
قوتِ افرنگ از علم و فن است

> علامہ اقبالؒ نے مشرق اور اہلِ مشرق کی بے عملی، کاہلی، سیاسی محکومیت، ذہنی مرعوبیت، فقدان خودی، علمی پسماندگی، سائنسی پستی، رہبانیت، اجتہادی فکر سے لاپرواہی اور یکطرفہ نظریۂ زندگی کو ہدف تنقید بنا کر قومی عروج اور ذاتی کمال کے حصول کے ذرائع کی طرف بھی ہماری توجہ مبذول کرادی ہے

ترک و ایران و عرب مست فرنگ
ہر کسی را در گلو شست فرنگ
مشرق از سلطانی مغرب خراب
اشتراک از دیں و ملت بردہ تاب

از ہمیں آتش چراغش روشن است

علمی تحقیقات کی لگن اور جذبۂ عمل چھوڑ کر رقص و سرود میں قومی عظمت اور ملی ترقی کو ڈھونڈنا حماقت نہیں تو اور کیا ہے؟ حضرت علامہ مغرب کی اچھائیوں کے معترف بھی تھے۔ انہیں افسوس ہے کہ اہلِ مشرق نے علم و فن کے حصول کی آرزو پر مغربی اقوام کے غلط اصولوں کی پیروی کو ترجیح دی ہے۔

سیاسی غلامی کے علاوہ وہ فکری جمود کے بھی سخت مخالف تھے۔ وہ مسلمانوں کو مخلصانہ مشورے دیتے ہیں کہ وہ زمانے کے بدلتے ہوئے گوناگوں مسائل اور اہم عصری

> علامہ محمد اقبالؒ نے صرف غلامی کی نشاندہی ہی نہیں کی بلکہ اس سے نجات کا طریقہ بھی بتا دیا ہے۔ ان کی نگاہ میں ذاتی مخفی صلاحیتوں کی بیداری، ذوق یقین اور جذبۂ آزادی کی بدولت محکوم قومیں آزادی سے ہمکنار ہو جایا کرتی ہیں

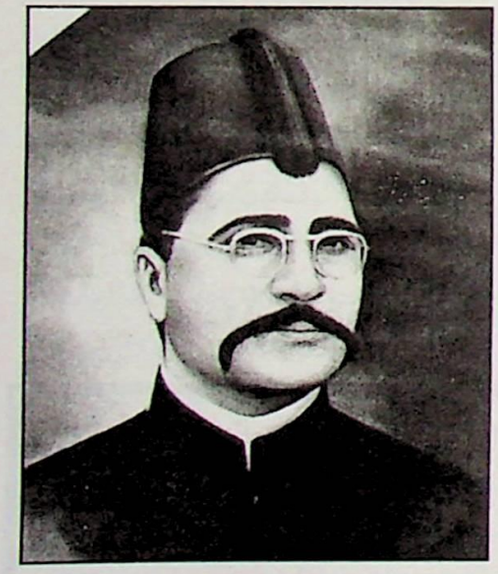

تقاضوں کے پیش نظر ہر بات کو حرفِ آخر کا درجہ نہ دیں، بلکہ قرآن کے ابدی اور ٹھوس اصولوں کی حدود میں رہ کر اسلاف کی طرح حدیث، اجماع اور قیاس سے رہنمائی پانے کے ساتھ ساتھ خود بھی غور و فکر سے کام لیں۔ زندگی اور کائنات جامد نہیں ہیں، بلکہ وہ ہر روز تغیر پذیر رہتی ہے۔

حصول پر ابھارتے ہیں تاکہ ہم اپنے اسلاف کی اس گمشدہ میراث کے دوبارہ حقدار بنیں اور تسخیر فطرت کے

> خودی کا موضوع علامہ محمد اقبالؒ کے فلسفیانہ نظام کی اساس اور انسانی عظمت کا معیار ہے۔ وہ انسانی ذات کو اسرارِ حیات کا گنجینہ اور معارف کائنات کا دفینہ تصور کرتے ہیں اور ہمیں اپنی اندرونی مخفی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کی بار بار تلقین کرتے ہیں

قابل ہو سکیں۔ علاوہ ازیں وہ مغربی قوموں کی ترقی کا راز رقص و سرود عریانی میں نہیں پاتے بلکہ وہ سعی و عمل، جستجوئے مدام، ذوق تحقیق اور مشاہدۂ فطرت کو ان کی موجودہ عظمت و

قرآن حکیم نے نظریۂ حیات کو پیش کر کے ہمیں مطالعۂ فطرت، مشاہدۂ کائنات، تاریخ اور حال سے بھی کام لینے پر زور دیا ہے۔ کیا قرآن میں سابقہ اقوام کے واقعات اور بار بار مطالعہ فطرت کا تذکرہ نہیں ہے؟ خدا تعالیٰ **کل یوم ھو فی شان** (خدا ہر روز نئی جلوہ گری میں مصروف رہتا ہے)۔ وہ کائنات کو بنا کر فارغ نہیں بیٹھ گیا۔ وہ اب بھی اپنی تخلیقی طریق کار کو اپنائے ہوئے ہیں۔ اس لیے وہ اپنی مسلسل خلاقی کی بدولت کائنات کو متغیر اور ارتقا پذیر بنا رہا ہے۔ ہم قرآن حکیم کی ابدی ہدایت کے قائل ہیں۔ اس لحاظ سے قرآنی حقائق و معارف کی تعبیر کو کسی ایک ملک یا دور تک محدود کرنا قرآن و سنت کو کم کرنے کے مترادف ہوگا۔ علامہ محمد اقبالؒ فکری غلامی کی بجائے فکری اجتہاد کی اہمیت پر ان الفاظ میں اظہارِ خیال کرتے ہیں:

"The teaching of the Quran that life is a process of progressive creation necessitates that each generation, guided but unhampered by the work of its predecessor, should be permitted to solve its own problems (The Reconstruction of Religious thought in Islam P. 168)

خودی کا موضوع علامہ محمد اقبالؒ کے فلسفیانہ نظام کی اساس اور انسانی عظمت کا معیار ہے۔ وہ انسانی ذات کو اسرارِ حیات کا گنجینہ اور معارف کائنات کا دفینہ تصور کرتے ہیں اور ہمیں اپنی اندرونی مخفی صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کی بار بار تلقین کرتے ہیں تاکہ انفرادی خودی بعد ازاں اجتماعی فلاح و ترقی کا موثر ذریعہ بن جائے۔ شعور کا یہ نورانی نقطہ ہماری شخصیت کی شیرازہ بندی کر کے اس میں وسعت و عظمت پیدا کرتا ہے۔ انہیں اس امر کا بہت دکھ ہے کہ مشرقی اقوام نے اپنی خودی کی تعمیر و تشکیل سے اغماض کر کے اپنے آپ کو پستیوں میں گرا دیا ہے۔ خودی کا محض اندرونی یا روحانی پہلو ہی نہیں بلکہ اس کا خارجی ماحول یا مادی دنیا کی تسخیر سے بھی گہرا تعلق ہے۔ روحانیت اور مادیت کے امتزاج ہی سے خودی کے دونوں پہلوؤں کی تکمیل ہوتی ہے۔ مغرب نے محض مادی اور ظاہری ترقی ہی کو متصور حیات بنا دیا ہے اور مشرق نے صرف روحانیت کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنانے پر اکتفا کیا ہے۔ مفکر اسلام اور شارح خودی علامہ اقبالؒ اس افراط و تفریق کو ناپسند کرتے ہوئے کہتے ہیں:

خودی کی موت سے مغرب کا اندروں بے نور
خودی کی موت سے مشرق ہے مبتلائے بے جذام

نہ ایشیا میں نہ یورپ میں سوز و ساز حیات
خودی کی موت ہے اور وہ ضمیر کی موت

مغرب نے مطالعۂ فطرت، عقل کی کرشمہ سازی اور سائنسی تحقیق سے زندگی کے خارجی پہلو کو ترقی دی ہے مگر مشرق نے تو روحانیت میں بھی کمال حاصل نہیں کیا۔ ظاہر و باطن کی اس پستی نے مشرقی ملکوں کی خودی کو مردہ بنا کر انہیں بے شمار مفاسد میں مبتلا کر دیا ہے۔

علامہ محمد اقبالؒ کی زبان سے ہی یہ دلخراش داستان سنیے۔ وہ فرماتے ہیں:

نہ دیر میں نہ حرم میں خودی کی بیداری
کہ خاوراں میں ہے قوموں کی روح تریا کی

خودی کی موت سے مشرق کی سرزمینوں میں
ہوا نہ کوئی خدائی کا راز داں پیدا

اقبالیات پر گہری نظر رکھنے والے حضرات سے یہ امر پوشیدہ نہیں کہ ان کے بیشتر نظریات قرآنی تعلیمات کی صدائے بازگشت ہیں۔ قرآنی نقطۂ نگاہ ہی سے انہوں نے راہبانہ طریق حیات پر سخت تنقید کی ہے۔ انہیں مشرقی ممالک کی رہبانیت پرستی سے شدید نفرت ہے کیونکہ وہ اسے افراد اور قومی کی ترقی کی راہ میں سنگ گراں خیال کرتے ہیں۔ رہبانیت کی بناء پر قوموں کے اندر بے عملی، بدعملی، کاہلی، فرار من الحیات، مادی ترقی اور دنیوی عظمت و برتری سے نفرت کے جذبات پیدا ہوئے ہیں۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کی غلام بن جایا کرتی ہیں۔ اسلام چونکہ خدائی حاکمیت کا علمبردار ہے، اس لیے وہ غیر اللہ کی حاکمیت کو کسی صورت میں بھی جائز قرار نہیں دیتا۔ مشرق پر علامہ اقبالؒ کی تنقید کا سبب یہ رہبانیت بھی ہے۔ وہ اس کی مذمت کرتے ہوئے بجا فرماتے ہیں:

اگر نہ سہل ہوں تجھ پر زمیں کے ہنگامے
بری ہے مستیٔ اندیشہ ہائے افلاکی

القصہ علامہ اقبالؒ نے مشرق اور اہلِ مشرق کی بے عملی، کاہلی، سیاسی محکومیت، ذہنی مرعوبیت، فقدان خودی، علمی پسماندگی، سائنسی پستی، رہبانیت، اجتہادی فکر سے لاپرواہی اور یکطرفہ نظریۂ زندگی کو ہدف تنقید بنا کر قومی عروج اور ذاتی کمال کے حصول کے ذرائع کی طرف بھی ہماری توجہ مبذول کرا دی ہے۔ اب اہلِ مشرق علامہ اقبالؒ کے کلام بلاغت نظام کے آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھ کر خود اپنے نقائص و محاسن کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ انہوں نے مغربی اور یورپی اقوام کی امپیریلزم، سرمایہ داری، لادین سیاست اور انسانیت سوز قدروں سے بے زاری کا اعلان کیا ہے لیکن وہ اس صورت حالات کا ہمیں بھی ذمہ دار گردانتے ہیں

ان کے کلام میں ہمیں عقل کے ساتھ عشق، خودی کے ساتھ بے خودی، فرد کے ساتھ ملت، فکر کے ساتھ عمل اور مغرب کے ساتھ مشرق کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ یہ توازن و اعتدال ان کی مومنانہ بصیرت اور فکری اصابت کا آئینہ دار ہے

دورِ حاضر اور فکرِ اقبالؒ

محمد منیر احمد

پیغامِ اقبالؒ عالمگیر راہنمائی کا داعی ہے مگر بدقسمتی سے قیامِ پاکستان کے بعد ہم نے ایک قوم کی حیثیت سے جو کچھ کیا وہ سب علامہ صاحب کی تعلیمات کے برعکس تھا۔ آپ مغرب کی ترقی کے مداح نہ تھے اور تہذیب حاضر کی چمک کو جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری قرار دیتے تھے۔ اکیسویں صدی میں وقوع پذیر ہونے والے حالات اور واقعات ایک بار پھر پیام اقبالؒ کی یاد دلاتے ہیں۔ وطنِ عزیز میں تبدیلی کا عمل ایک اچھے مستقبل کی نشاندہی کرتا ہے۔ علامہ صاحب نے بھی ایسا ہی خواب دیکھا تھا۔

خرد کو غلامی سے آزاد کر
جوانوں کو پیروں کا استاد کر
جوانوں کو سوز جگر بخش دے
میرا عشق میری نظر بخش دے

اسی دور میں مغرب کی روشن خیالی اور الحاد پرستی کی فعالیت کا بت بھی ٹوٹ کر پاش پاش ہوگیا۔ کیران آرم سٹرانگ نے جو اعلیٰ ترین تعلیمی اداروں سے تعلیم یافتہ تھے، ذاتی خودغرضی دھوکہ دہی اور لوٹ کھسوٹ کا ایک ایسا طوفان بدتمیزی برپا کیا جس کے باعث 2007ء میں انسانی تاریخ کے سب سے بڑے مالیاتی اور بینکاری کے بحران نے جنم لیا جس سے ساری دنیا کساد بازاری کا شکار ہوئی۔ مغرب کے سارے مینجمنٹ اور بزنس سکول اپنے نصاب میں بزنس کی اخلاقی اقدار کے مضمون کا اضافہ کر رہے ہیں۔ فیضان سماوی سے محروم ترقی و کمال کا آخر کار یہی انجام ہوتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس حقیقت سے بہت پہلے پردہ اٹھا دیا تھا۔

یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم
حد اس کے کمالات کی ہے برق و بخارات

> علامہ محمد اقبالؒ کی شاعری میں تربیت کا یہ پہلا مرحلہ ہے جس میں وہ ایک بچے کو شاہین کے بال و پر عطا کر رہے ہیں۔ دوسرا مرحلہ جوش اور ولولہ کا ہے جو انسانی زندگی میں تحریکِ غور و فکر اور تحقیق و تجسس کی نئی نئی راہیں کھولتا ہے

اس مضمون میں ہم پیامِ اقبالؒ کے صرف ایک پہلو کا جائزہ لیں گے جس کی طرف ابھی تک بہت کم توجہ دی گئی ہے۔ سوال یہ ہے کہ علامہ محمد اقبالؒ کی نگاہ توجہ معاشرے کے کسی طبقے کے لیے مخصوص نہیں ہے۔ بچے، نوجوان یا بوڑھے لوگ؟ ایک معاشرہ ایسے ہی تین قسم کے افراد پر مشتمل ہوتا ہے۔ چونکہ علامہ محمد اقبالؒ کا پیغام تعلیم و تربیت کا ہے، اس لیے بانگ درا کی سات نظمیں بچوں کیلئے مخصوص ہیں۔ ظاہر میں یہ کلام روز مرہ زندگی کے عام مشاہدات پر مبنی ہے مگر ان میں انسانی زندگی کی بنیادی اقدار کی تربیت مستور ہے۔ پہاڑ اور گلہری میں بچوں کے ذہن میں یہ بات ڈال دی کہ قدرت کے کارخانے میں کوئی چیز نکمی نہیں ہے۔ بچے کی دعا میں علم سے محبت کا سبق اور جگنو اور بلبل میں انسانی ہمدردی کی تلقین ہے۔ باقی نظموں میں بھی ایسے ہی Positive Values کا ذکر ہے جس طرح انگریزی شاعر Words Worth ایک معصوم بچے کو فطرت سے قریب تر خیال کرتے ہیں، اسی طرح علامہ اقبالؒ ایک معصوم بچے کو چاقو سے کھیلتا دیکھ کر حقیقت عظمت آدم سے پردہ اٹھا دیتے ہیں۔

آہ! کیوں دکھ دینے والی شے سے تجھ کو پیار ہے
کھیل اس کاغذ کے ٹکڑے سے یہ بے آزار ہے
زندگانی ہے تیری آزاد قید و امتیاز
تیری آنکھوں پر ہے ہویدا مگر قدرت کا راز

''بچہ اور شمع'' میں جب بچہ روشنی کو حیرت سے دیکھتے ہوئے پکڑنے کی کوشش کرتا ہے تو یہ منظر دیکھ کر علامہ

صاحب کا تخیل افلاک سے آگے نکل جاتا ہے۔

اس نظارے سے تیرا ننھا سا دل پریشان ہے
کیسی دیکھی ہوئی شے کی مگر پہچان ہے
شمع ایک شعلہ ہے لیکن تو سراپا نور ہے
آہ! اس محفل میں عریاں سے تو مستور ہے
نور تیرا چھپ گیا زیر نقاب آگہی
ہے غبار دیدہ بینا حجاب آگہی

علامہ محمد اقبالؒ کی شاعری میں تربیت کا یہ پہلا مرحلہ ہے جس میں وہ ایک بچے کو شاہین کے بال و پر عطا کر رہے ہیں۔ دوسرا مرحلہ جوش اور ولولہ کا ہے جو انسانی زندگی میں تحریکِ غور و فکر اور تحقیق و تجسس کی نئی نئی راہیں کھولتا ہے۔ وہی ولولہ زیست ہے جسے برگساں حیات (Elan Vital) کے نام سے پکارتا ہے۔ اس مقام پر ان کے مخاطب نوجوان ہیں جن کی منزل بقول اقبال آسمانوں سے آگے ہے۔ حصول مقصد کے لیے ترغیب (Motivation) علامہ اقبالؒ کی شاعری کا طرہ امتیاز ہے جس کے وہ نئے نئے انداز اختیار کرتے ہیں۔

> علامہ محمد اقبالؒ کا پیغام چونکہ تعلیم و تربیت کا ہے، اس لیے بانگ درا کی سات نظمیں بچوں کیلئے مخصوص ہیں۔ ظاہر میں یہ کلام روزمرہ زندگی کے عام مشاہدات پر مبنی ہے مگر ان میں انسانی زندگی کی بنیادی اقدار کی تربیت مستور ہے

تو راہ نورد شوق ہے منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہم نشین ہو تو محمل نہ کر قبول
اے آب جواب بڑھ کے ہو جا دریائے تند و تیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول

نوجوانوں کو خوب سے خوب کی تلاش میں سرگرداں رکھنے کے لیے انہیں عظمت انسان سے آگاہ کرنا ہی اقبال کا نور بصیرت ہے جسے وہ بچوں اور نوجوانوں تک پہنچانے کے لیے ہمہ وقت بے تاب رہتے ہیں۔

جوانوں کو مری آہ سحر دے
پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا آرزو میری یہی ہے
میر انور بصیرت عام کر دے

یہاں پر ایک بات انتہائی اہمیت کی حامل ہے کہ نورِ بصیرت عام کرنے کے لیے علامہ اقبالؒ مکتب کے کردار پر بہت زیادہ زور دیتے ہیں۔ یہ مدرسہ اور خانقاہ کی تربیت ہی ہے جو ایک بچے کو شاہین کے بال و پر عطا کر سکتی ہے یا پھر شاہین بچوں کو صحبت زاغ میں پروان چڑھا کر سکتی ہے کہ انہیں راہ و رسم شاہبازی میں ایسے خدشات کا تواتر سے ذکر کیا ہے۔

شکایت ہے مجھے یارب خداوندانِ مکتب سے
سبق شاہین بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا
اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غم ناک
نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ
ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی
خراب کر گئی شاہین بچے کو صحبت زاغ

آج ہم پھر تحریکِ پاکستان جیسے دور سے گزر رہے ہیں۔ اس وقت ایک ملک کا بنانا تھا اور آج اس ملک کو بچانا اور سنوارنا ہے۔ آج پھر ہمیں بصیرت اقبالؒ کی ضرورت ہے جس کے لیے ضروری ہم اپنے مدرسہ اور خانقاہ میں صداقت، شجاعت اور عدالت کا سبق پڑھنا شروع کر دیں گے تو بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے حرم لے جانے میں کوئی دقت نہیں پیش آئے گی۔

ہم علامہ اقبالؒ کے عالمگیر پیغام کے وارث اور امین ہیں۔ اگر آج بھی ہم اپنی زندگی کے شب و روز کو فرمودات اقبالؒ کے تابع کر لیں تو جانب گم گشتہ کے دوبارہ حصول کی راہ ہموار ہو سکتی ہے۔

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

روزنامہ جنگ، لاہور 21 اپریل 2011ء

اقبالؒ کے حضور

جہاں لب ریز ہے تیری اذاں سے
اُٹھا ہے کارواں خوابِ گراں سے
زمینِ شرق پر غربی نشیمن
تہ و بالا ترے زورِ بیاں سے

نہیں عظمت تری محتاجِ یاراں
کہ ہیں نغمے ترے خود شعلہ باراں
گلوں میں ، قمریوں میں ، بلبلوں میں
تری آمد سے شورِ نو بہاراں

تلاطم خیز ہے ملت کا دریا
سفینہ فکرِ افلاطوں کا ڈوبا
طلسمِ حکمتِ یونان و افرنگ
تری ضربِ کلیمانہ سے ٹوٹا

تری یادیں ہیں سوزِ غم سراسر
کہ چشمِ نرگسِ شہلا بھی ہے تر
گریباں چاک ہے صحرا میں لالہ
چمن میں پھول ہیں افسردہ خاطر

ترے نغموں میں رنگِ مصطفائیؐ
تری آواز ، آوازِ خدائی
تری آمد میانِ عصرِ حاضر
یکے از رازہائے کبریائی

قیامت خیز تیری ہم رکابی
کھلا ذروں پہ رازِ آفتابی
تری صحبت میں اے شہبازِ ملت
پر و بالِ کبوتر میں عقابی!

اے شعلہ فکر ، اے گنجِ معانی
اے رشکِ حافظ و رومی و جامی
لگائی آگ ہر سو ولولوں کی
سراپا سوز ، تیری نغمہ خوانی

مری دنیا ، مرا کاشانۂ دل
مرا نغمہ ، مرا افسانۂ دل
قبولِ حلقۂ اقبالؒ یا رب
مرا تحفہ ، مرا نذرانۂ دل

ڈاکٹر رفیق احمد

علامہ محمد اقبالؒ کا تصورِ خودی

محمد اشرف شریف

ڈاکٹر سر علامہ محمد اقبالؒ بیسویں صدی کے ایک معروف شاعر، مصنف، قانون دان، سیاستدان، مسلم صوفی اور تحریک پاکستان کی اہم شخصیات میں سے ایک تھے۔ اُردو اور فارسی میں شاعری کرتے تھے اور یہی ان کی بنیادی وجہ شہرت ہے۔ شاعری میں بنیادی رجحان تصوف اور احیائے امت اسلام کی طرف تھا۔ علامہ محمد اقبالؒ کو دور جدید کا صوفی سمجھا جاتا ہے۔ بحیثیت سیاستدان ان کا سب سے نمایاں کارنامہ نظریۂ پاکستان کی تشکیل ہے جو اُنہوں نے 1930ء میں الٰہ آباد میں مسلم لیگ کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے پیش کیا تھا۔ یہی نظریہ بعد میں پاکستان کے قیام کی بنیاد بنا۔ گو اُنہوں نے اس نئے ملک کے قیام کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا لیکن انہیں پاکستان کے قومی شاعر کی حیثیت حاصل ہے۔

ولادت وابتدائی زندگی

علامہ محمد اقبالؒ 9 نومبر 1877ء (بمطابق 3 ذیقعد 1294ھ) کو برطانوی ہندوستان کے شہر سیالکوٹ میں شیخ نور محمد کے گھر پیدا ہوئے۔ ماں باپ نے نام محمد اقبال رکھا۔ مختلف تاریخ دانوں کے مابین علامہ اقبالؒ کی تاریخ ولادت پر کچھ اختلافات رہے ہیں لیکن حکومت پاکستان سرکاری طور پر 9 نومبر 1877ء کو ہی ان کی تاریخ پیدائش تسلیم کرتی ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ کے آباو اجداد اٹھارویں صدی کے آخر یا انیسویں صدی کے اوائل میں کشمیر سے ہجرت کر کے سیالکوٹ آئے اور محلہ کھیتیاں میں آباد ہوئے۔

تعلیم

علامہ محمد اقبالؒ نے ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں ہی حاصل کی اور مشن ہائی سکول سے میٹرک اور مرے کالج سیالکوٹ سے ایف اے کا امتحان پاس کیا۔ زمانہ طالبعلمی میں انہیں مولوی میر حسن جیسے استاد ملے جنہوں نے آپ کی صلاحیتوں کو بھانپ لیا اور ان کے اوصاف وخیالات کے مطابق آپ کی صحیح رہنمائی کی۔ شعر وشاعری کا شوق بھی آپ کو یہیں پیدا ہوا اور اس شوق کو فروغ دینے میں مولوی میر حسن کا بڑا دخل تھا۔ ایف اے کرنے کے بعد آپ اعلیٰ تعلیم کے لیے لاہور چلے گئے اور گورنمنٹ کالج لاہور سے بی اے اور ایم کے امتحانات پاس کیے۔ یہاں آپ کو پروفیسر آرنلڈ جیسے فاضل شفیق استاد مل گئے جنہوں نے اپنے شاگرد کی رہنمائی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

سفر یورپ

1905ء میں علامہ اقبالؒ اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان چلے گئے اور کیمبرج یونیورسٹی میں داخلہ لے لیا اور پروفیسر براؤن جیسے فاضل اساتذہ سے رہنمائی حاصل کی۔ بعد میں آپ جرمنی چلے گئے جہاں میونخ یونیورسٹی سے آپ نے فلسفہ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی۔

تدریس اور وکالت

ابتداء میں آپ نے ایم اے کرنے کے بعد اورینٹل کالج لاہور میں تدریس کے فرائض سرانجام دیے لیکن آپ نے بیرسٹری کو مستقل طور پر اپنایا۔ وکالت کے ساتھ ساتھ آپ شعر وشاعری بھی کرتے رہے اور سیاسی تحریکوں میں بھرپور انداز میں حصہ لیا۔ 1922ء میں حکومت کی طرف سے سر کا خطاب ملا۔

> علامہ محمد اقبالؒ کے نزدیک خودی احساسِ غیرت مندی، جذبۂ خودداری، اپنی ذات و صفات کے پاس واحساس، اپنی انا کو جراحت وشکست سے محفوظ رکھنے، حرکت و توانائی کو زندگی کا ضامن سمجھنے، مظاہراتِ فطرت سے برسرِ پیکار رہنے اور دوسروں کا سہارا تلاش کرنے کے بجائے اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کا نام ہے

سیاست

1926ء میں آپ پنجاب لیجسلیٹو اسمبلی کے ممبر چنے گئے۔ آپ آزادیٔ وطن کے علمبردار تھے اور باقاعدہ سیاسی تحریکوں میں حصہ لیتے تھے۔ مسلم لیگ میں شامل ہوگئے اور آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر منتخب ہوئے۔ آپ کا 1930ء میں الٰہ آباد کا مشہور صدارتی خطبہ تاریخی حیثیت رکھتا ہے' اس خطبے میں آپ نے پاکستان کا تصور پیش کیا۔ 1931ء میں آپ نے گول میز کانفرنس میں شرکت کر کے مسلمانوں کی نمائندگی کی۔ آپ کی تعلیمات اور قائداعظمؒ کی انتھک کوششوں سے ملک آزاد ہوگیا اور پاکستان معرض وجود میں آیا۔ لیکن پاکستان کی آزادی سے پہلے ہی 21 اپریل 1938ء (بمطابق 20 صفر 1357ھ) میں علامہ اقبالؒ انتقال کر گئے تھے۔ لیکن ایک عظیم شاعر اور مفکر کے طور پر قوم ہمیشہ ان کے احسان مند رہے گی۔ جس نے پاکستان کا تصور پیش کر کے برصغیر کے مسلمانوں میں جینے کی ایک نئی آس پیدا کی۔

شاعری

شاعر مشرق علامہ اقبالؒ حساس دل و دماغ کے مالک تھے۔ آپ کی شاعری زندہ شاعری ہے جو ہمیشہ مسلمانوں کے لیے مشعل راہ بنی رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ کلام اقبال دنیا کے ہر حصے میں پڑھا جاتا ہے اور مسلمانان عالم اسے بڑی عقیدت کے ساتھ زیر مطالعہ رکھتے اور ان کے فلسفے کو سمجھتے ہیں۔ علامہ محمد اقبالؒ نے نئی نسل میں انقلابی روح پھونکی اور اسلامی عظمت کو اجاگر کیا۔ ان کی کئی کتب کے انگریزی' جرمنی' فرانسیسی' چینی' جاپانی اور دوسری زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں جس سے بیرون ملک بھی لوگ آپ کے معترف ہیں۔ بلا مبالغہ علامہ محمد اقبالؒ ایک عظیم مفکر مانے جاتے ہیں۔

علامہ محمد اقبالؒ کا فلسفۂ خودی

علامہ محمد اقبالؒ کا پیغام یا فلسفۂ حیات کیا ہے۔ اگر چاہیں تو اس کے جواب میں صرف ایک لفظ ''خودی'' کہہ سکتے ہیں اس لئے کہ یہی ان کی فکر و نظر کے جملہ مباحث کا محور ہے اور اُنہوں نے اپنے پیغام یا فلسفہ حیات کو اسی نام سے موسوم کیا ہے۔ اس محور تک علامہ محمد اقبالؒ کی رسائی ذات و کائنات کے بارے میں بعض سوالوں کے جوابات کی تلاش میں ہوئی ہے۔ انسان کیا ہے؟ کائنات اور اس کی اصل کیا ہے؟ آیا یہ فی الواقع کوئی وجود رکھتی ہے یا محض فریب نظر ہے؟ اگر فریب نظر ہے تو اس کے پس پردہ کیا ہے؟ اس طرح کے اور جانے کتنے سوالات ہیں جن کے جوابات کی جستجو میں انسان شروع سے سرگرداں رہا ہے۔ اس طرح کے سوالات جن سے انسان کے وجود کا اثبات ہوتا ہے۔ اُردو شاعری میں علامہ محمد اقبالؒ سے پہلے غالب نے بھی اُٹھائے تھے۔ لیکن علامہ محمد اقبالؒ کے سوالات و جوابات کی نوعیت اس سلسلے میں غالب سے بہت مختلف ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ نے ان سوالوں کے جواب میں دلائل و برہان سے کام لیا ہے اور اسے ایک مستقل فلسفۂ حیات میں ڈھال دیا ہے۔

یہی فلسفۂ حیات ہے جو بعض عناصر خاص سے ترکیب پا کر علامہ محمد اقبالؒ کے یہاں مغرب و مشرق کے حکمائے جدید سے بالکل الگ ہوگیا ہے اس کا نام فلسفہ خودی ہے اور علامہ اقبالؒ اسی کے مفسر و پیغامبر ہیں۔ اس فلسفے میں خدابینی و خودبینی لازم و ملزوم ہیں۔ خودبینی' خدابینی میں سے خارج نہیں بلکہ معاون ہے۔ خودی کا احساس ذاتِ خداوندی کا ادراک اور ذاتِ خداوندی کا ادراک خودی کے احساس کا اثبات و اقرار ہے۔

> طلب و ہدایت کیلئے کسی مرد کامل کے آگے سر نیاز جھکانا تو خودی کو مستحکم کرتا ہے لیکن مال و دولت و منصب کے لئے دست نگر ہونا اسے ضعیف بناتا ہے۔ گدائی صرف اِسی کا نام نہیں کہ مفلس دولت مند کا طفیلی بن جائے بلکہ دولت جمع کرنے کا ہر وہ طریقہ جس میں انسان محنت نہ کرے بلکہ دوسروں کی محنت سے فائدہ اٹھائے علامہ اقبالؒ کے نزدیک گداگری ہے

علامہ محمد اقبالؒ کا تصور خودی

تصور خودی کو علامہ محمد اقبالؒ کے فلسفہ حیات و کائنات میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اگر خودی کے تصور کو سمجھ لیا جائے تو علامہ محمد اقبالؒ کی شاعری کو سمجھنا آسان ہوجاتا ہے۔ اقبالیات کے ہر نقاد نے خودی پر کسی نہ کسی شکل میں اظہار خیال کیا ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ اس سلسلے میں لکھتے ہیں۔

''خودی خود حیات کا دوسرا نام ہے۔ خودی عشق کے مترادف ہے۔ خودی ذوق تسخیر کا نام ہے۔ خودی سے مراد خود آگاہی ہے۔ خودی ذوق طلب ہے۔ خودی ایمان کے مترادف ہے۔ خودی سرچشمہ جدت و ندرت ہے۔ خودی یقین کی گہرائی ہے۔ خودی سوز حیات کا سرچشمہ ہے اور ذوق تخلیق کا ماخذ ہے۔''

خودی فارسی زبان کا لفظ ہے جو لغوی اعتبار سے درج ذیل معانی رکھتا ہے۔

ا) انانیت' خود پرستی' خودمختاری' خودسری' خودرائی

ب) خودغرضی

ج) غرور' نخوت' تکبر

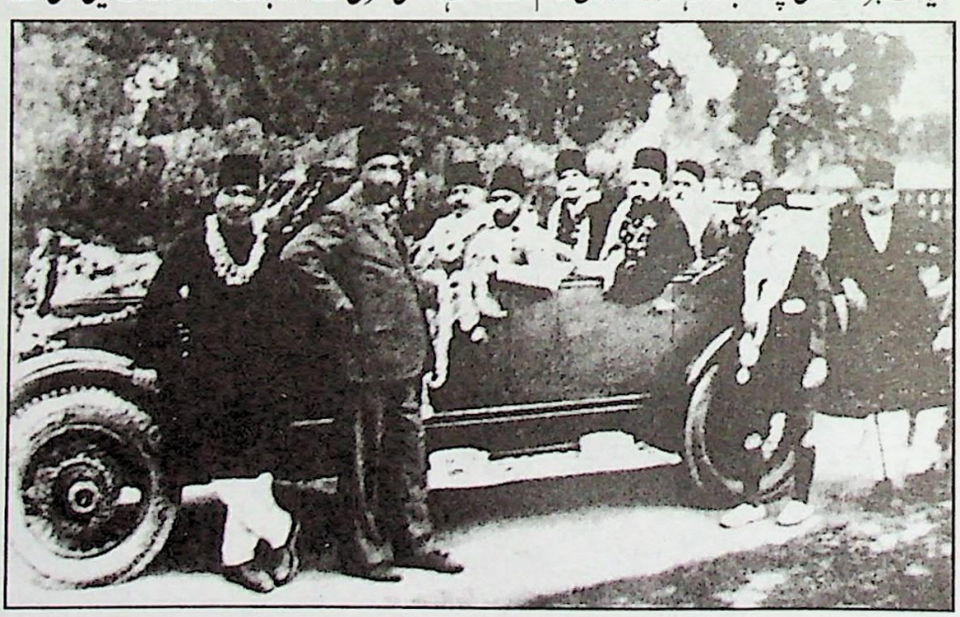

''خودی'' کا لفظ علامہ محمد اقبالؒ کے پیغام یا فلسفۂ حیات میں تکبر و غرور یا اُردو فارسی کے مروجہ معنوں میں استعمال نہیں ہوا۔ خودی علامہ اقبالؒ کے نزدیک نام ہے احساسِ غیرت مندی کا' جذبہ خودداری کا' اپنی ذات وصفات کے پاس و احساس کا' اپنی انا کو جراحت و شکست سے محفوظ رکھنے کا' حرکت و توانائی کو زندگی کا ضامن سمجھنے کا' مظاہراتِ فطرت سے برسرِ پیکار رہنے کا اور دوسروں کا سہارا تلاش کرنے کے بجائے اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کا۔ یوں سمجھ لیجئے کہ علامہ اقبالؒ کے نقطہ نظر سے ''خودی'' زندگی کا آغاز' وسط اور انجام سبھی کچھ ہے۔ فرد و ملت کی ترقی و تنزلی' خودی کی ترقی و زوال پر منحصر ہے۔ خودی کا تحفظ' زندگی کا تحفظ اور خودی کا استحکام' زندگی کا استحکام ہے۔ ازل سے ابد تک خودی ہی کی کارفرمائی ہے۔ اس کی کامرانیاں اور کار کشائیاں بے شمار اور اس کی وسعتیں اور بلندیاں بے کنار ہیں۔ علامہ محمد اقبالؒ نے اس کا ذکر اپنے کلام میں جگہ جگہ نئے انداز میں کیا ہے۔

خودی کیا ہے راز دورنِ حیات
خودی کیا ہے بیداریٔ کائنات
ازل اس کے پیچھے ابد سامنے
نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سامنے
زمانے کے دھار میں بہتی ہوئی
ستم اس کی موجوں کے سہتی ہوئی
ازل سے ہے یہ کشمکش میں اسیر
ہوئی خاکِ آدم میں صورت پذیر
خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

کہیں یہ ظاہر کیا ہے کہ لا الہ الا اللہ کا اصل راز خودی ہے توحید' خودی کی تلوار کو آب دار بناتی ہے اور خودی' توحید کی محافظ ہے۔

خودی کا سرِ نہاں لاالہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لاالہ الا اللہ

کہیں یہ بتایا ہے کہ انسان کی ساری کامیابیوں کا انحصار خودی کی پرورش و تربیت پر ہے۔ قوت اور تربیت یافتہ خودی ہی کی بدولت انسان نے حق و باطل کی جنگ میں فتح پائی ہے۔ خودی زندہ اور پائندہ ہو تو فقر میں شہنشائی کی شان پیدا ہو جاتی ہے اور کائنات کا ذرہ ذرہ اس کے تصرف میں آ جاتا ہے۔

خودی ہے زندہ تو ہے فقر میں شہنشاہی
ہے سنجر و طغرل سے کم شکوہِ فقیر
خودی ہو زندہ تو دریائے بیکراں پایاب
خودی ہو زندہ تو کہسار پرنیاں و حریر

ڈاکٹر افتخار صدیقی ''فروغِ اقبال'' میں علامہ محمد اقبالؒ کے نظریہ خودی کے بارے میں رقمطراز ہیں۔

''نظریہ خودی' حضرت علامہ اقبالؒ کی فکر کا موضوع بنا رہا۔ جس کے تمام پہلوؤں پر اُنہوں نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ روشنی ڈالی ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ نے ابتداء ہی میں اس بات کو واضح کر دیا کہ خودی سے ان کی مراد غرور و نخوت ہرگز نہیں بلکہ اس سے عرفانِ نفس اور خود شناسی مراد ہے۔''

چنانچہ ''اسرار خودی'' کے پہلے ایڈیشن کے دیباچے میں لکھتے ہیں'

''ہاں لفظ ''خودی'' کے متعلق ناظرین کو آگاہ کر دینا ضروری ہے کہ یہ لفظ اس نظم میں بمعنی ''غرور'' استعمال نہیں کیا گیا جیسا کہ عام طور پر اُردو میں مستعمل ہے اس کا مفہوم محض احساس نفس یا تعین ذات ہے۔'' تقریباً یہی مفہوم علامہ محمد اقبالؒ کے اس شعر میں ادا ہوا ہے۔

خودی کی شوخی و بندی میں کبر و ناز نہیں
جو ناز ہو بھی تو بے لذت نیاز نہیں

علامہ محمد اقبالؒ کے تصورِ خودی میں صوفیانہ فکر کے بیشتر عناصر ملتے ہیں لیکن صوفیوں کی خودی کا تصور روحانی ہوتا ہے ان کی روحانی انا اس درجہ محکم ہے کہ وہ مادی خودی کو وجودِ مطلق کا جز قرار دیتے ہیں۔ جبکہ علامہ اقبالؒ خودی کے مادی لوازم کو نظر انداز نہیں کرتے اور اس مادی خودی کو بھی برحق اگرچہ تغیر پذیر جانتے ہیں۔ صوفی وجود اور خودی کو تسلیم کر لینے کے بعد فنائے خودی میں اپنی نجات سمجھتا ہے۔ اُس کی پوری کوشش ہوتی ہے کہ اس خودی کو بے خودی میں بدل دے تاکہ وہ اپنی اصل سے مل جائے۔ صوفی اسے ترکِ خود یا نفی خود کے نام سے یاد کرتے ہیں جبکہ علامہ محمد اقبالؒ عارضی خودی کی اہمیت تسلیم کرتے ہیں اور بے خودی تک پہنچنے کے لئے خودی کو ہی ذریعہ اور وسیلہ بناتے ہیں۔

خودی کا لفظ علامہ محمد اقبالؒ نے غرور کے معنی میں استعمال نہیں کیا بلکہ اس کا مفہوم احساس نفس یا اپنی ذات کا تعین ہے یہ ایک چیز ہے' جس کے بارے میں احادیث میں بھی موجود ہے۔ ترجمہ: ''یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔'' یوں سمجھ لیجئے کہ علامہ محمد اقبالؒ ہمیں اپنی ذات کے عرفان کا جو درس دے رہے ہیں وہ دراصل اپنے رب کو پہچاننے کی تلقین کا دوسرا نام ہے

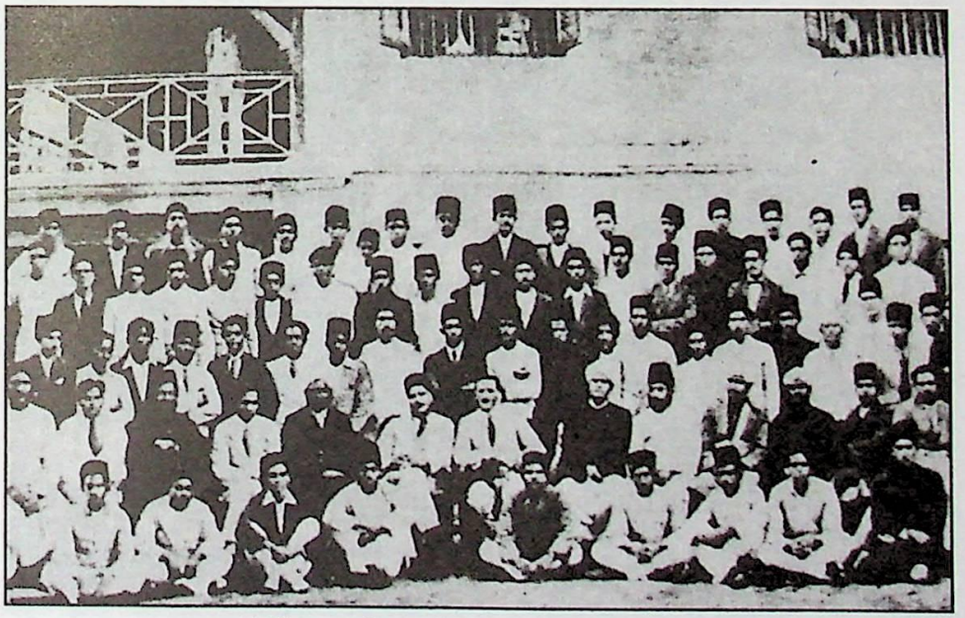

علامہ محمد اقبالؒ کے تصورِ خودی کے ماخذ

علامہ محمد اقبالؒ کے تصورِ خودی کا ماخذ ڈھونڈنے کے

لئے نقادوں نے طرح طرح کی قیاس آرائیاں کیں۔ اس سلسلے میں نطشے، برگساں، ہیگل اور لائڈ ماتھر وغیرہ کا نام لیا گیا۔ جبکہ خود علامہ اقبالؒ نے اس قسم کے استفادے سے انکار کیا۔ خلیفہ عبدالحکیم کے خیال میں اقبال نطشے سے نہیں فشٹے سے متاثر تھے۔ کیونکہ نطشے تو منکر خدا ہے۔ اقبال کو نطشے

> **تصور خودی کو علامہ محمد اقبالؒ کے فلسفہ حیات و کائنات میں مرکزی حیثیت حاصل ہے اگر خودی کے تصور کو سمجھ لیا جائے تو علامہ محمد اقبالؒ کی شاعری کو سمجھنا آسان ہو جاتا ہے۔ اقبالیات کے ہر نقاد نے خودی پر کسی نہ کسی شکل میں اظہار خیال کیا ہے**

کی تعلیم کا وہی پہلو پسند ہے جو اسلام کی تعلیم کا ایک امتیازی عنصر ہے۔

اگرچہ ''اسرار خودی'' کے اکثر اجزاء فلسفہ مغرب سے ماخذ ہیں اور یہاں مسلمان فلسفیوں کے خیالات بہت کم ہیں لیکن اسلامی تصوف میں عشق کا نظریہ علامہ محمد اقبالؒ نے مولانا روم سے لیا ہے اور علامہ محمد اقبالؒ کی شاعری کا انقلاب انگیز پیغام دراصل رومی کے فیض کا نتیجہ ہے۔ اس بارے میں عبدالسلام ندوی لکھتے ہیں کہ

''خودی کا تصور ڈاکٹر صاحب کے فلسفہ کی اساس ہے اور اسی پر ان تمام فلسفیانہ خیالات کی بنیاد ہے بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ یورپین فلسفہ بالخصوص نطشے سے ماخوذ ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس تخیل کو ڈاکٹر صاحب نے مولانا روم سے اخذ کیا ہے۔''

اس سے یہ مطلب نہیں سمجھنا چاہیے کہ ڈاکٹر صاحب کے فلسفے کی اپنی کوئی حیثیت نہیں بلکہ اُن کے فلسفہ خودی کے تمام اساسی مضامین درحقیقت قرآن سے ماخوذ ہیں۔

خودی اور فطرت

علامہ محمد اقبالؒ کے نزدیک خودی اپنی تکمیل اور استحکام کے لئے غیر خودی سے ٹکراتی ہے جس نسبت سے کوئی شے خودی میں مستحکم اور غیر خود پر غالب ہے اُسی نسبت سے اُس کا درجہ مدارج حیات میں نفیس ہوتا ہے۔ مخلوقات میں انسان اس لئے برتر ہے کہ اس کی ذات میں خودی ہے اور اس خودی سے فطرتِ انسانی مشاہدہ کی پابند ہے۔ علامہ اقبالؒ کہتے ہیں کہ خودی کی منزل زمان و مکاں کی تسخیر پر ختم نہیں ہوتی۔ شاعر کا چشم تخیل انسان کی جدوجہد و عمل کے لئے نئے نئے میدان دکھاتا ہے۔

خودی اور عشق

خودی کو آگے بڑھانے میں ایک چیز بہت اہم کردار ادا کرتی ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ نے اسے کبھی آرزو اور کبھی عشق کا نام دیا ہے۔ ارتقائے خودی میں عشق سب سے بڑا محرک ثابت ہوتا ہے۔

عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زیر و بم
عشق سے مٹی کی تصویروں میں سوزِ دم بدم

علامہ محمد اقبالؒ نے عشق کے کئی مدارج بیان کئے ہیں،

عشق فقیہہ حرم، عشق امیر جنود
عشق ہے ابن السبیل، اس کے ہزاروں مقام

چنانچہ کہیں عشق جمالی صورت اختیار کر لیتا ہے اور کہیں جلالی رنگ میں جھلک دکھاتا ہے۔

عشق کے مضراب سے نغمہ تارِ حیات
عشق سے نور حیات عشق سے نار حیات

ڈاکٹر عابد حسین ''خودی اور عشق کا راستہ واضح کرتے ہوئے اپنے مضمون ''اقبال کا تصور خودی'' میں لکھتے ہیں،

''اس راہ میں ایک رہنما کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ رہنما عشق ہے۔ عشق اُس مردِ کامل کی محبت کو کہتے ہیں جو معرفت نفس کے مدارج سے گزر کر خودی کی معراج پر پہنچ چکا ہے۔''

مردِ خدا کا عمل، عشق سے صاحب فروغ
عشق ہے اصلِ حیات، موت ہے اس پر حرام

خودی اور فقر:

طلب و ہدایت کے لئے کسی مرد کامل کے آگے سر نیاز جھکانا تو خودی کو مستحکم کرتا ہے۔ لیکن مال و دولت و منصب کے لئے دست نگر ہونا اسے ضعیف بناتا ہے۔ گدائی صرف اِسی کا نام نہیں کہ مفلس دولت مند کا طفیلی بن جائے بلکہ دولت جمع کرنے کا ہر وہ طریقہ جس میں انسان محنت نہ کرے بلکہ دوسروں کی محنت سے فائدہ اٹھائے علامہ اقبالؒ کے نزدیک گداگری ہے۔ حتیٰ کہ بادشاہ جو غریبوں کی کمائی پر بسر کرتا ہے سوال و گداگری کا مجرم ہے۔

میکدے میں ایک دن ایک مرد زیرک نے کہا
ہے ہمارے شہر کا سلطان گدائے بے نوا
اس کے نعمت خانے کی ہر چیز ہے مانگی ہوئی
دینے والا کون ہے مردِ غریب و بے نوا

خودی کے مراحل انتہائی اہم ہیں۔ یہ مراحل تین ہیں۔

اطاعت الٰہی

علامہ محمد اقبالؒ کے نزدیک خودی کا پہلا درجہ اطاعت ہے یعنی کہ اللہ کے قانونِ حیات کی پابندی کرنا۔

ضبط نفس

دوسرا درجہ ضبط نفس ہے۔ انسان نفس کو جس کی سرکشی

کی کوئی حد نہیں قابو میں لائے۔

نیابت الٰہی

ان دونوں مدارج سے گزرنے کے بعد انسان اس درجے پر فائز ہوجائے گا۔ جسے انسانیت کا اوج کمال سمجھنا چاہیے۔ یہ نیابت الٰہی کا درجہ ارتقائے خودی کا بلند ترین نصب العین ہے۔

خودی اور خدا کا تعلق

طالب خودی ''مردِ خدا'' کی محبت اس قدر برتر اور سرشار ہوتی ہے اور کیف وسرور کی وجہ سے خدا کی اتنی محبت اسکے دل میں پیدا جاتی ہے کہ وہ خودی کے کل مراحل طے کرنے کے باوجود اپنے آپ کو ناتمام محسوس کرتا ہے اسی کشش کا نام عشق حقیقی ہے۔

عشق بھی ہو حجاب میں، حسن بھی ہو حجات میں
یا تو خود آشکار ہو، یا مجھے آشکار کر
تو ہے محیط بیکراں، میں ہوں ذرا سی آب جو
یا مجھے ہم کنار کر، یا مجھے بے کنار کر
متاع بے بہا ہے درد و سوز آرزو مندی
مقامِ بندگی دے کر نہ لوں شانِ خداوندی

بندگی میں انسان کو سکون ملتا ہے بحرحال یہ جدائی انسان کے لئے مبارک ہے کیونکہ یہی خودی وجہ حیات ہے۔

بے خودی

علامہ محمد اقبالؒ کے فلسفۂ خودی کی تفصیلات اور جزئیات کے مطالعہ سے اس قانون کا علم ہوتا ہے جس پر عمل کرکے انسان اس درجہ کو پالینے کے قابل ہوجاتا ہے جو اسے حقیقتاً خلیفۃ اللہ کے منصب کا اہل بنا دیتا ہے۔ اس قانون کی پابندی خودی کی تکمیل کیلئے لازمی ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ حقیقت بھی اپنی جگہ مسلم ہے کہ انسان تنہائی کی زندگی نہیں گزارتا وہ لازماً کسی معاشرہ، کسی قوم اور کسی ملت کا فرد ہوتا ہے۔ فرد اور ملت کے درمیان رابطہ کے بھی کچھ اصول اور قوانین ہوتے ہیں اسی رابطے اور قوانین و اصولوں کو علامہ اقبالؒ نے بے خودی سے تعبیر کیا ہے۔ اس رابطہ کو واضح کرنے کے لئے علامہ اقبالؒ نے تصوف کی ایک مشہور اصطلاح استعمال کی ہے۔ فارسی اور اُردو کے صوفی شعرا نفس انسانی کو قطرے سے اور ذات ایزدی کو دریا سے تشبیہ دیتے آئے ہیں اور ان کا عقیدہ ہے کہ ''عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہوجانا'' لیکن علامہ اقبالؒ نے اس تمثیل کو فرد اور ملت کے درمیان ربط و تعلق ظاہر کرنے کے لئے استعمال کیا ہے۔ فرد کی مثال ایک قطرہ کی ہے اور ملت دریا کی طرح ہے۔ مگر علامہ محمد اقبالؒ کی نظر میں یہ قطرہ، دریا میں مل جانے کے بعد اپنی ہستی کو فنا نہیں کرڈالتا بلکہ اس طریقہ سے اس کی ہستی مزید استحکام حاصل کرلیتی ہے۔ وہ بلند اور دائمی مقاصد سے آشنا ہوجاتا ہے۔ اس کی قوتیں منظم اور منضبط ہوجاتی ہیں اور اس کی خودی پائیدار اور لازوال بن جاتی ہے۔

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں

دراصل ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بے خودی سے علامہ محمد اقبالؒ کی مراد اجتماعی خودی ہے۔

> علامہ محمد اقبالؒ کے فلسفۂ خودی کی تفصیلات اور جزئیات کے مطالعہ سے اس قانون کا علم ہوتا ہے جس پر عمل کرکے انسان اس درجہ کو پالینے کے قابل ہوجاتا ہے جو اسے حقیقتاً خلیفۃ اللہ کے منصب کا اہل بنا دیتا ہے

بے خودی سے خودی کا استحکام

آخر ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ فرد کیلئے جس طرح اپنی خودی کی تربیت، ارتقاء اور استحکام ضروری ہے اسے طرح اس خودی کو ایک آئین اور قانون کی حدود میں لانا بھی ضروری ہے۔ یہ آئین اور قانون وہ ملت مہیا کرتی ہے جس میں وہ فرد رکن ہوتا ہے۔ اس آئین کی حدود میں آنے کے بعد وہ تمام افراد جن کی انفرادی خودی تربیت کے مراحل سے گزر چکی ہے، ایک اجتماعی خودی کو تشکیل دیتے ہیں۔ یہ اجتماعی خودی مربوط ہوجانے کے بعد ایک جگہ پھر افراد کی انفرادی خودی کے تحفظ اور استحکام کے وسائل پیدا کرتی ہے۔ لیکن ایسی ملت جو انفرادی اور اجتماعی طور پر خودی کی تربیت اور استحکام کے وسائل پیدا کرسکے اور دنیا میں منشائے خداوندی کو پورا کرنے کا باعث بن سکے۔ وہ صرف ملت اسلامیہ ہی ہوسکتی ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی قوم میں وہ خصوصیات موجود نہیں جو ایک عالمگیر انسانی برادری کی تشکیل کرنے کے لئے ضروری ہیں۔ صرف ملت اسلامیہ ہی وہ قوم ہے جو رنگ، نسل، زبان، ملک، علاقہ اور قبیلہ جیسے محدود امتیازات کو ختم کرکے ایک وسیع انسانی برادری کا تصور دیتی ہے۔ ایسا ہمہ گیر اور وسیع تصور دنیا کی اور کسی قوم کے پاس موجود نہیں ہے۔

حساس خودی کی توسیع

بے خودی یا اجتماعی خودی کی تشکیل کے بعد ملت کے احساس خودی کی توسیع کے لئے جن ذرائع کی ضرورت ہے وہ علم کائنات اور تسخیر کائنات ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی لازمی ہے کہ ملت اپنی تاریخ اور روایات کی حفاظت کرے۔ تاریخ اقوام کی زندگی کے لئے قوتِ حافظہ کا درجہ رکھتی ہے اور حافظہ ہی وہ چیز ہے جس سے مختلف ادراکات کے درمیان ربط و تسلسل پیدا ہوتا ہے۔ خارجی حیات کے ہجوم میں ''میں'' یا ''ان'' کا مرکز حافظہ کے ذریعے ہی ہاتھ آتا ہے۔ گویا حافظہ کے ذریعے فرد اپنی احساس خودی کی حفاظت کرتا ہے۔ اس طرح تاریخ کے ذریعہ ملت کی زندگی کے مختلف ادوار میں ربط اور تسلسل پیدا ہوتا ہے۔ یہی شیرازہ بندی ہے اس کے شعورِ خودی کی کفیل اور اس کے بقائے دوام کی ضامن بنتی ہے۔ دنیا میں وہی قومیں زندہ رہتی ہیں جو اپنے حال کا رشتہ ایک طرف ماضی سے اور دوسری طرف مستقبل سے استوار رکھتی ہیں۔ تمام بحث سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں کہ علامہ محمد اقبالؒ بے خودی یا اجتماعی خودی کی صورت میں ایک ایسی ملت یا ریاست کا تصور پیش کرتے ہیں جس کے زیر اثر رہتے ہوئے انفرادی خودی کو استحکام اور دوام حاصل ہوسکے۔

مجموعی جائزہ:

الغرض خودی کا تصور علامہ محمد اقبالؒ کی شاعری کا بنیادی تصور ہے جس کے بغیر ہم علامہ محمد اقبالؒ کی شاعری کا تصور بھی نہیں کرسکتے۔ یہ علامہ محمد اقبالؒ کے فلسفہ حیات کی بنیادی اینٹ ہے۔ خودی کا لفظ علامہ محمد اقبالؒ نے غرور کے معنی میں استعمال نہیں کیا بلکہ اس کا مفہوم احساس نفس یا اپنی ذات کا تعین ہے یہ ایک چیز ہے، جس کے بارے میں احادیث میں بھی موجود ہے۔ ترجمہ: ''یعنی جس نے اپنے نفس کو پہچان لیا اس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔''

یوں سمجھ لیجئے کہ علامہ محمد اقبالؒ ہمیں اپنی ذات کے عرفان کا جو درس دے رہے ہیں وہ دراصل اپنے رب کو پہچاننے کی تلقین کا دوسرا نام ہے۔

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے

روزنامہ دن، 21 اپریل 2011ء

علامہ محمد اقبالؒ کی ابتدائی زندگی کا احوال

رضوان مجاہد

ولادت اور بچپن:

علامہ محمد اقبالؒ 9 نومبر 1877ء کو صبح صادق کے وقت سیالکوٹ کے ایک معزز کشمیری گھرانے میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد محترم شیخ نور محمد ایک متوسط گھرانے کے سربراہ تھے۔ علامہ محمد اقبالؒ کی بلند اقبالی کی بشارت ان کے والد کو خواب میں مل چکی تھی، جب انہوں نے دیکھا کہ ایک خوبصورت کبوتر ہوا میں اڑتا اڑتا دفعتاً ان کی گود میں آ گرا ہے۔ مگر اس کے باوجود انہیں علامہ محمد اقبالؒ کی اس قدر بلند اقبالی کا احساس نہ ہوا ہوگا کہ ان کا فرزند حکمت و دانائی اور شعر و فلسفہ کا سورج بن کر آئندہ آنے والی صدیوں کو جگمگاتا رہے گا۔

والدۂ ماجدہ امام بی بی نے آپ کا نام محمد اقبالؒ تجویز کیا۔ آپ کی والدہ بڑی نیک سیرت، سمجھدار اور صوم وصلوٰۃ کی پابند خاتون تھیں۔ گھر کا کام کاج خود اپنے ہاتھوں سرانجام دیتیں۔ علامہ محمد اقبالؒ بھی اپنی عظیم ماں کے سایۂ شفقت میں پروان چڑھنے لگے۔ ایسی عظیم مائیں بہت کم بچوں کو نصیب ہوتی ہیں جو جسمانی نشوونما کے ساتھ ساتھ ذہنی اور روحانی تربیت پر بھی نگاہ رکھتی ہیں اور بچے کو صراطِ مستقیم پر ثابت قدمی کے ساتھ قدم بڑھانے اور کارگاہِ حیات میں ہمت کے ساتھ پاؤں جمانے کی تربیت بہم پہنچاتی ہیں۔ یہ اسی اعلیٰ تربیت کا اثر تھا کہ علامہ محمد اقبالؒ بچپن ہی سے بڑے پاکیزہ مزاج اور خاموش طبع تھے۔ عام بچوں کی طرح ہر وقت کھیل اور غیر سنجیدہ حرکات انہیں بالکل ناپسند تھیں۔ اس کے برعکس وہ بڑے ذہین اور سمجھدار واقع ہوئے تھے۔

اس وقت کے رواج کے مطابق جب آپ کی عمر پانچ چھ برس کی ہوئی تو پڑھائی کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ علم سے لگاؤ ان کی طبیعت کا حصہ تھا، علم کے حصول میں ذوق وشوق اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ رات کو اٹھ اٹھ کر پڑھتے تھے۔ ایک

> آپ کی والدۂ ماجدہ امام بی بی نے آپ کا نام محمد اقبال تجویز کیا۔ آپ کی والدہ بڑی نیک سیرت، سمجھدار اور صوم وصلوٰۃ کی پابند خاتون تھیں۔ گھر کا کام کاج خود اپنے ہاتھوں سرانجام دیتیں، علامہ محمد اقبالؒ اپنی عظیم ماں کے سایۂ شفقت میں پروان چڑھے

مرتبہ نصف شب کے وقت آپ کی والدہ محترمہ کی آنکھ اچانک کھل گئی، آپ کیا دیکھتی ہیں کہ اقبالؒ دیے کے قریب بیٹھے سکول کا کام کر رہے ہیں۔ آپ نے دو ایک آوازیں دیں مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ انہوں نے اٹھ کر شانوں سے پکڑ کر ہلایا اور کہا ''اقبالؒ! اس وقت آدھی رات کو کیا پڑھ رہے ہو؟ اٹھو! سو جاؤ، صبح کام کر لینا''۔ اقبالؒ نے جواب دیا ''بے جی! سویا ہوا تو ہوں''۔ یوں معمول بن گیا کہ اسی طرح ان کی والدہ اقبالؒ کو اٹھاتیں اور سلا دیتیں۔ صبح کو علامہ اقبالؒ سے رات کے واقعہ کے متعلق پوچھا جاتا تو وہ لاعلمی ظاہر کرتے۔ حیران کن بات یہ تھی کہ ریاضی کے جو سوالات علامہ محمد اقبالؒ نیند کی حالت میں حل کرتے، وہ بالکل درست ہوتے۔ شاید قدرت اس طرح انہیں جلد از جلد اور زیادہ سے زیادہ علوم سے بہرہ مند کرنے کا انتظام کر رہی تھی۔

مری مشاطگی کی کیا ضرورت حُسن معنی کو
کہ فطرت خود بخود کرتی ہے لالے کی حِنا بندی

(قدرت نے جس سے کوئی بڑا کام لینا ہوتا ہے اس کی تربیت کے مواقع خود بخود پیدا کر دیتی ہے تاکہ اس شخص کی شخصیت، ہر خوبی اور جوہر سے فیض یاب ہو جائے۔ یعنی قدرتی حسن کو کسی تراش خراش اور بننے سنورنے کی حاجت نہیں ہوتی جیسے لالے کا سرخ پھول اپنی سرخی لے کر ہی پیدا ہوتا ہے)۔

تعلیم:

علامہ محمد اقبالؒ کی پہلی درس گاہ 'عمر شاہ' کا مکتب بنی۔ عمر شاہ آپ کے مشہور استاد مولانا میر حسن کے چچازاد بھائی تھے اور مسجد میر حسام الدین میں بچوں کو پڑھایا کرتے تھے۔ علامہ محمد اقبالؒ نے اس مسجد میں قرآن مجید کی تعلیم

حاصل کی۔ اسی دوران میں ان کے والد شیخ نور محمد نے انہیں مولانا غلام حسن کے مدرسے میں پڑھنے بٹھا دیا۔ مقصد یہ تھا کہ دینی تعلیم حاصل کریں۔ ابھی چند دن ہی گزرے تھے کہ اس مدرسے میں مولانا میر حسن کا گزر ہوا' انہوں نے اقبالؒ کو دیکھا تو پوچھا یہ کس کا بچہ ہے' انہیں بتایا گیا کہ شیخ نور محمد کے صاحبزادے ہیں۔ میر حسن ان سے ملے اور کہا کہ اقبالؒ کو میرے پاس بھیج دیں اسے میں پڑھاؤں گا۔ بس اسی دن سے مولانا میر حسن اور اقبالؒ کا ساتھ شروع ہوا جو میر حسن کی وفات تک بدستور جاری رہا۔ اس کے بعد علامہ محمد اقبالؒ سکاچ مشن سکول سیالکوٹ میں داخل ہوئے جہاں سے 1888ء میں پرائمری' 1891ء میں مڈل اور 1893ء میں میٹرک کا امتحان اعلیٰ نمبروں میں پاس کر کے وظیفہ حاصل کیا۔

میٹرک میں کامیابی کے بعد اقبالؒ مرے کالج سیالکوٹ میں داخل ہوئے جہاں سے 1895ء میں ایف اے کیا اور عربی میں نمایاں کامیابی کی بنا پر وظیفہ کے حقدار ٹھہرے۔ سیالکوٹ میں اب مزید تعلیم کا کوئی انتظام نہیں تھا' علی گڑھ دور تھا' فیصلہ ہوا لاہور میں رہ کر تعلیم مکمل کی جائے۔ تعلیمی اخراجات کے سلسلے میں بڑے بھائی کی محبت' خلوص اور ایثار نا قابل فراموش ہے۔ بڑے بھائی شیخ عطا محمد کی عنایات وطن سے دور انگلستان اور جرمنی میں بھی حصول علم کی کاوشوں میں نمایاں رہیں۔ ان کے علاوہ علامہ اقبالؒ کی چار بہنیں تھیں' دو ان سے بڑی: محترمہ فاطمہ بی بی' محترمہ طالع بی بی اور دو چھوٹی: محترمہ کریمہ بی بی اور محترمہ زینب بی بی۔

1895ء میں علامہ اقبالؒ لاہور کے لیے عازم سفر ہوئے اور باقاعدہ تعلیم کے لیے گورنمنٹ کالج لاہور کا انتخاب کیا۔ علامہ محمد اقبالؒ کہتے ہیں ''اس وقت کسے معلوم تھا' میں ایک دن اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم حاصل کروں گا۔ دنیا کی بہترین یونیورسٹیوں سے میرا گزر ہوگا۔ اس وقت تو یہ بھی معلوم نہیں تھا' یونیورسٹی کیا ہوتی ہے' فیکلٹی کسے کہتے ہیں۔ یہ الفاظ سننے میں بھی نہیں آئے تھے''۔

1895ء میں علامہ اقبالؒ ایک نوعمر طالب علم کی حیثیت سے لاہور آئے تو حصول علم کے اس نئے مرحلے میں علامہ اقبالؒ کی مثال ایک ایسے مسافر کی سی تھی جو اپنے دل و دماغ کی خداداد صلاحیتوں اور ایمان و یقین کی دولت بطور زادراہ لیے علم و عمل کی اس دنیا میں قدم رکھ رہا تھا' جس میں حصول علم کے ساتھ ساتھ فکر و فہم کی تربیت بھی ہوتی ہے۔ اس کے ساتھ سیرت و کردار اور احساس ذات کو بالیدگی عطا ہوتی ہے۔ شخصیت ایک نئے ڈھنگ سے نکھر کر سامنے آتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے جب اس نئی دنیا میں قدم رکھا تو حصول علم کے ساتھ تکمیل ذات کی جدوجہد بھی ان کی منتظر تھی۔

> گورنمنٹ کالج لاہور سے علامہ اقبالؒ نے 1897ء میں بی اے اور 1899ء میں ایم اے فلسفہ کا امتحان پاس کیا۔ طالب علم کی حیثیت سے اس کالج میں علامہ اقبالؒ کے قیام کی مدت چار سال سے زیادہ نہیں لیکن ان چار سالوں میں ہی انہوں نے اپنے اساتذہ اور ہم سبقوں میں اپنی قابلیت کا سکہ بٹھا دیا

یہاں سے اقبالؒ نے 1897ء میں بی اے اور 1899ء میں ایم اے فلسفہ کا امتحان پاس کیا۔ طالب علم کی حیثیت سے گورنمنٹ کالج لاہور میں اقبالؒ کے قیام کی مدت چار سال سے زیادہ نہیں لیکن ان چار سالوں میں ہی انہوں نے اپنے اساتذہ اور ہم سبقوں میں اپنی قابلیت کا سکہ بٹھا دیا۔

ایم اے کرتے ہی ان کی خدمات اورینٹل کالج کے لیے حاصل کر لی گئیں کیونکہ عربی زبان میں علامہ محمد اقبالؒ نے غیر معمولی قابلیت کا مظاہرہ کیا تھا۔ اسی بنا پر ان کا تقرر بحیثیت میکلوڈ پنجاب عربیک ریڈر کے اورینٹل کالج میں ہوا۔ اس کالج میں علامہ اقبالؒ کا قیام مختلف وقفوں کے ساتھ 1904ء تک رہا۔ انہی وقفوں میں علامہ محمد اقبالؒ اسلامیہ کالج لاہور اور گورنمنٹ کالج لاہور میں بطور انگریزی اور فلسفہ کے استاد بھی رہے۔

1905ء میں آپ اعلیٰ تعلیم کی غرض سے انگلستان چلے گئے جہاں 1908ء تک زیر تعلیم رہے۔ 1907ء میں انہوں نے کیمبرج یونیورسٹی سے بی اے کیا اور پھر میونخ یونیورسٹی جرمنی سے پی ایچ۔ ڈی کی ڈگری حاصل کی اس کے بعد کچھ عرصہ لندن یونیورسٹی میں عربی کے استاد کے طور پر کام کرتے رہے بعد ازاں 1908ء میں واپس ہندوستان آ گئے۔

علامہ اقبالؒ چھوٹی عمر ہی میں بڑے حاضر جواب اور ہر دلعزیز تھے۔ استاد اور ہم جماعت انہیں بڑی قدر اور محبت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ حاضر جوابی کا یہ عالم تھا کہ ایک روز جماعت میں ذرا دیر سے پہنچے' استاد نے دیر سے آنے کی وجہ دریافت کی تو جواب دیا: ''جناب! اقبالؒ ہمیشہ دیر ہی سے آتا ہے''۔

علامہ محمد اقبالؒ کو مطالعہ کا بہت شوق تھا۔ ہر لحظہ کتابوں کی تلاش میں رہتے۔ آپ کے والد محترم جب کبھی علی گڑھ یا لاہور جاتے تو علامہ محمد اقبالؒ ان سے کتابوں کی فرمائش ضرور کرتے۔ مطالعہ کی یہ عادت عمر کے آخری حصہ تک رہی۔ انہیں رات کو دیر سے سونے کی عادت تھی۔ شب دس گیارہ بجے تک محفل جمی رہتی۔ محفل کے ختم ہونے کے بعد کچھ دیر مطالعہ ضرور فرماتے اکثر نماز عشاء ادا کر کے سوتے مگر علی الصبح بیدار ہو جاتے۔ تہجد اور نماز فجر ادا کرتے، پھر معمول کے مطابق خوش الحانی سے قرآن مجید کی تلاوت فرماتے۔ علامہ اقبالؒ شروع ہی سے حساس ذہن کے حامل تھے' غور و فکر کی عادت ان کی طبیعت کا حصہ تھی۔ آپ ابتدا ہی سے حسن و جمال کے قدردان اور شعر و شاعری اور موسیقی کے دلدادہ تھے۔ انگریزی ادب کا مطالعہ بھی بچپن سے ہی شروع کر دیا تھا یہی وجہ ہے زمانہ طالب علمی ہی میں انگریزی میں ان کی قابلیت کا اعتراف ہونے لگا تھا۔ ان کے ہم جماعت بھی پڑھائی میں ان کے انہماک و توجہ' خوش اخلاقی اور خوش طبعی کے معترف تھے۔

❀ ❀ ❀

نظریۂ پاکستان ٹرسٹ کے زیر اہتمام ایوان کارکنان تحریک پاکستان، شاہراہ قائداعظمؒ لاہور میں تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن، ممتاز صحافی و چیئرمین نظریۂ پاکستان ٹرسٹ جناب ڈاکٹر مجید نظامیؒ کے ایصال ثواب کیلئے محفل قرآن خوانی کا انعقاد کیا گیا۔ اس موقع پر تحریک پاکستان کے نامور کارکن، سابق صدر اسلامی جمہوریہ پاکستان و چیئرمین نظریۂ پاکستان ٹرسٹ محمد رفیق تارڑ، تحریک پاکستان ورکرز ٹرسٹ کے چیئرمین کرنل (ر) جمشید احمد ترین، نظریۂ پاکستان ٹرسٹ کے وائس چیئرمین پروفیسر ڈاکٹر رفیق احمد، ممتاز دانشور و سی پی این ای کے صدر مجیب الرحمٰن شامی، نظریۂ پاکستان ٹرسٹ کے چیف کوآرڈی نیٹر میاں فاروق الطاف، پروفیسر ڈاکٹر ایم اے صوفی، لیفٹیننٹ جنرل (ر) ذوالفقار علی خان، علامہ احمد علی قصوری، بیگم مہناز رفیع، صدارتی ایوارڈ یافتہ قاری سید صداقت علی، کرنل (ر) سلیم ملک، پروفیسر ڈاکٹر پروین خان، عزیز الرحمٰن چن، پیر اعجاز احمد ہاشمی، محمد شیر، مولانا محمد شفیع جوش، افتخار حسین بخاری، زکریا بٹ، خواجہ فرخ سعید، محمود حسن رومی، پروفیسر حنیف شاہد، پروفیسر محمد مظہر عالم، رخسانہ ارشد، سید نصیب اللہ گردیزی، محمد یٰسین وٹو، عبدالعزیز قریشی، غلام رسول، نواب برکات محمود خان، محمد منیر، مرزا صادق جرال، میاں ارشد اقبال، چوہدری محمد صدیق ایڈووکیٹ، ثمینہ بتول، نظریۂ پاکستان ٹرسٹ کے سیکرٹری شاہد رشید، نظریۂ پاکستان ٹرسٹ و تحریک پاکستان ورکرز ٹرسٹ کے عہدیداران و کارکنان، طلبہ، اساتذۂ کرام سمیت مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے خواتین و حضرات کثیر تعداد میں موجود تھے۔ محفل کے دوران قاری سید صداقت علی نے تلاوت کلام پاک جبکہ حافظ محمد وارث نے حمد باری تعالیٰ اور الحاج اختر حسین قریشی نے نعت رسول مقبولؐ سنانے کی سعادت حاصل کی۔ مولانا محمد شفیع جوش نے ختم شریف اور علامہ احمد علی قصوری نے ڈاکٹر مجید نظامیؒ کے بلندیٔ درجات کیلئے دعا کروائی۔ سیکرٹری نظریۂ پاکستان ٹرسٹ شاہد رشید نے حاضرین کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ ڈاکٹر مجید نظامی مرحوم کا مشن جاری و ساری رہے گا۔ قرآن خوانی کی محفل کا اہتمام تحریک پاکستان ورکرز ٹرسٹ کے اشتراک سے کیا تھا۔

❁ ❁ ❁

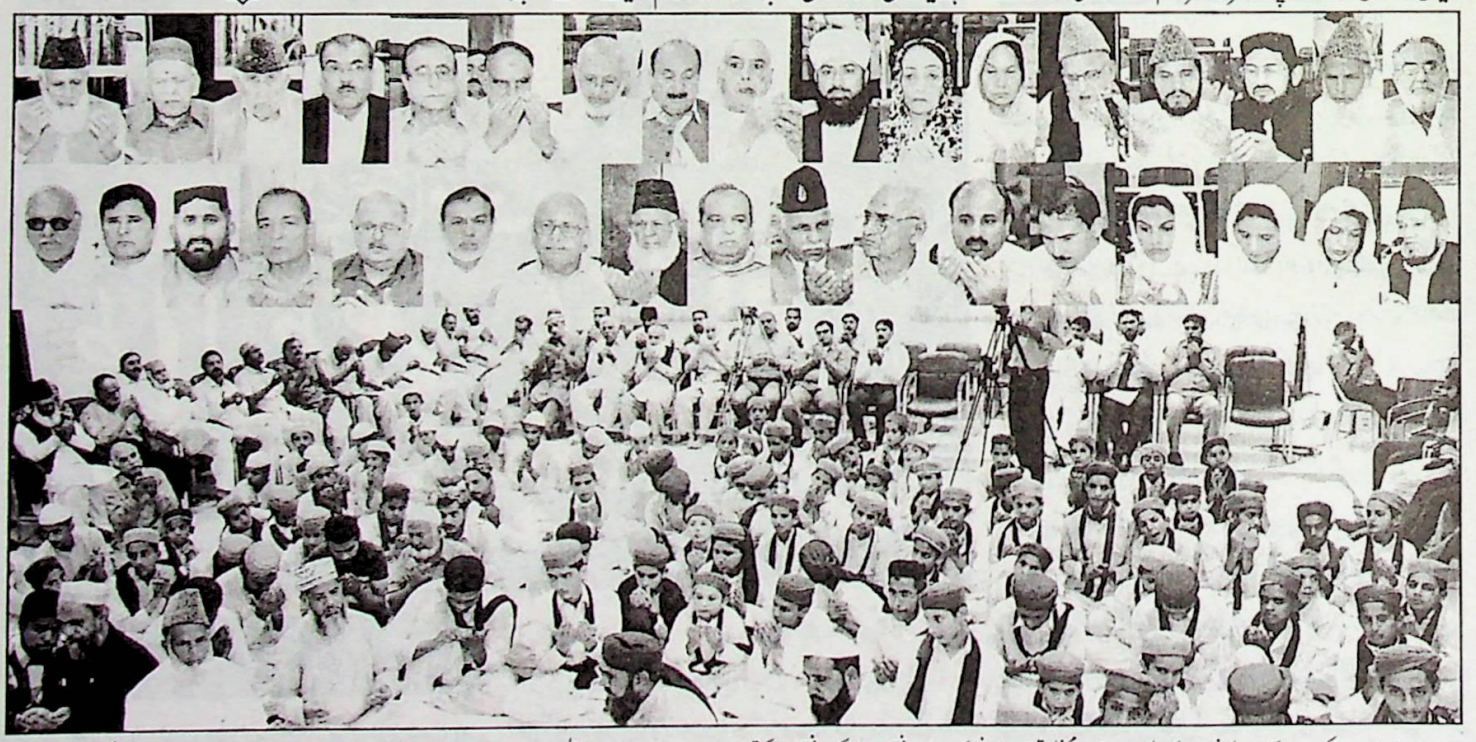

جناب مجید نظامی مرحوم کی روح کے ایصال ثواب کے سلسلے میں منعقدہ محفل قرآن خوانی کے بعد محمد رفیق تارڑ، ڈاکٹر رفیق احمد، کرنل (ر) جمشید احمد ترین، مجیب الرحمٰن شامی، میاں فاروق الطاف، لیفٹیننٹ جنرل (ر) ذوالفقار علی خان، پیر اعجاز احمد ہاشمی، عزیز الرحمٰن چن، ڈاکٹر ایم اے صوفی، مفتی محمد رمضان سیالوی، بیگم مہناز رفیع، ڈاکٹر پروین خان، علامہ احمد علی قصوری، قاری سید صداقت علی، مفتی شیر محمد، مولانا محمد شفیع جوش، سردار گل محمد خان جوگیزئی، محمد منیر احمد، میاں ارشد اقبال، پیر بلال احمد رضا قادری، سید نصیب اللہ گردیزی، خواجہ فرخ سعید، مرزا صادق جرال، محمود حسن رومی، محمد یٰسین وٹو، شاہد رشید، نواب برکات محمود خان، کرنل (ر) سلیم ملک، ناہید عمران گل، سیف اللہ چوہدری، رخسانہ ارشد، زریں انور اور ثمینہ تبسم دعا مانگ رہے ہیں جبکہ الحاج اختر حسین قریشی نے نعت رسول مقبول پیش کی

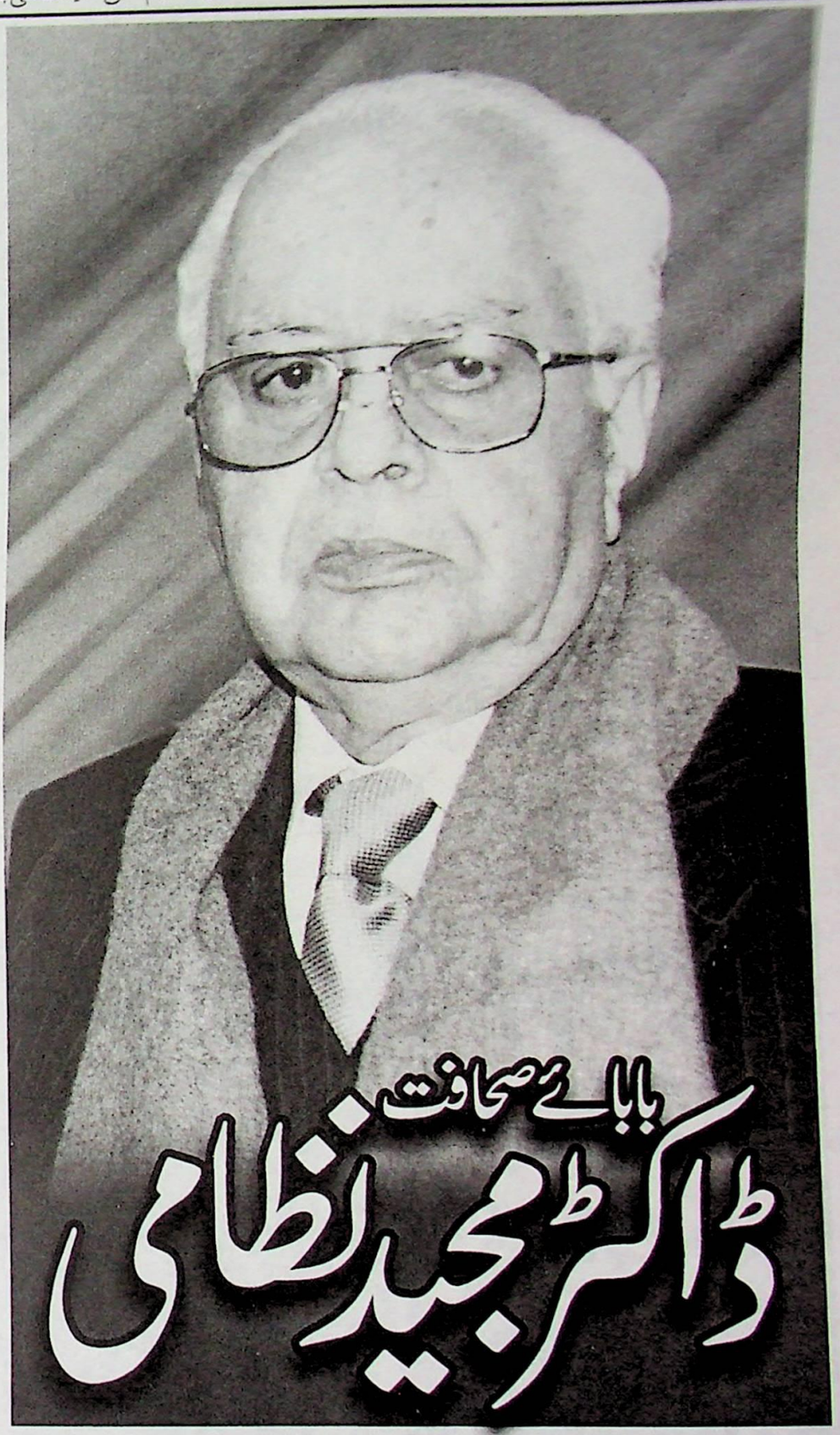

بابائے صحافت
ڈاکٹر مجید نظامی

وقار فانی

میں اور خورشید ربانی مسجد میں تھے کہ بشارت علی سید نے بابائے صحافت ڈاکٹر مجید نظامی کی رحلت کی روح فرسا خبر دی، 27 ویں شب اور جمعرات.....کیا دن پایا.....ہمارے ہاں ایک روایتی فقرہ کسی بھی بڑی شخصیت کے انتقال کے موقعہ پر بولا جاتا ہے کہ ان کی وفات سے پیدا ہونے والا خلا کبھی پر نہیں ہوگا، موت العالم موت العالم۔نوائے وقت گروپ کے سربراہ اور بزرگ صحافی مجید نظامی کے انتقال کے حوالے سے یہ تمام جملے حقیقی معنوں میں استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ان کے انتقال سے واقعتاً صحافت میں بہت بڑا خلا پیدا ہوگیا، جس کا پر ہونے کا کوئی امکان نہیں۔ان جیسا ایڈیٹر اردو صحافت کو شاید ہی نصیب ہو۔بشارت علی سید کہتے ہیں کہ مجید نظامی جینوئن آدمی تھے، ورکروں کا خیال رکھنے والے تھے، ایک الیکٹریشن کی موت کے بعد اس کے اہل خانہ کی کفالت ہو یا ایک رپورٹر کی ناگہانی موت کے بعد اس کے بچوں کی تعلیم کا معاملہ.....مجید نظامی کبھی پیچھے نہیں ہٹے، وہ اختلاف رائے رکھنے والے کو غور سے سنتے تھے.....اپنا دماغ استعمال کرنے والے کی قدر کرتے اور خوشامدی کی بات رد کر دیتے تھے.....پروفیشنل ایڈیٹر.....نہ کسی کے کہنے پر ورکر کو نکالا اور نہ کسی کی سفارش پر ورکر کو نوازا.....کئی گھرانے پالنے والا آج ہم میں نہیں

> مجید نظامی ورکروں کا خیال رکھنے والے شخص تھے، ایک الیکٹریشن کی موت کے بعد اس کے اہل خانہ کی کفالت ہو یا ایک رپورٹر کی ناگہانی موت کے بعد اس کے بچوں کی تعلیم کا معاملہ.....مجید نظامی کبھی پیچھے نہیں ہٹے، وہ اختلاف رائے رکھنے والے کو بھی غور سے سنتے تھے

رہا.....ان کی دوقومی نظریہ، مسئلہ کشمیر، مسلم لیگ اور پاکستان سے لازوال کمٹمنٹ، مستحکم ارادے، ہر آمر، جابر کے سامنے سینہ سپر ہونے، سٹینڈ لینے کی قوت اور مشکل ترین حالات میں کھری بات کہنے کی صلاحیت انہیں اپنے تمام ہم عصروں سے ممتاز اور منفرد بنا دیتی ہے۔وہ مالک کم اور دوست زیادہ تھے۔

مجید نظامی نے نصف صدی سے زیادہ وقت صحافت میں گزارا اور ہمیشہ صاف دامن کے ساتھ سربلند رہے۔ پورے بانکپن اور وقار کے ساتھ زندگی گزاری، شفاف کردار کے مالک رہے۔ایوبی آمریت میں نوائے وقت اور مجید نظامی کا کردار تاریخ رقم کر چکا ہے۔محترمہ فاطمہ جناحؒ کی انتخابی مہم اور کھلم کھلا حمایت مجید نظامی جیسا بے باک ہی کر سکتا تھا.....لالچ اور ذاتی مفاد سے کوسوں دور رہے، ضیاالحق کے منہ پر یہ کہہ دینا کہ ''ساڈی جان کدوں چھڈو گے (ہماری جان کب چھوڑیں گے)'' ان کا ہی خاصہ تھا۔آمر کی ہر پیشکش ٹھکرانا مجید نظامی کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ان کی زندگی میں ڈرامائی اتار چڑھاؤ رہے، ڈکٹیٹروں

کے ساتھ انہوں نے ٹکر لی، اپنی ہمت، جرات اور فراست کے باعث کبھی نہیں جھکے۔ ان پر اللہ کا یہ خاص کرم رہا کہ ہر معرکے میں سرخروئی ان کے حصے میں آئی۔ مگر مجید نظامی کی کہانی ان کے بڑے بھائی حمید نظامی کے ساتھ یوں جڑی ہوئی ہے کہ اس کے ذکر کے بغیر بات ادھوری رہے گی۔

یہ 23 مارچ 1940ء کی بات ہے جب قائداعظمؒ کے کہنے پر مسلم لیگ کے کارکن اور نوجوان صحافی حمید نظامی

> مجید نظامی مرحوم نے مسئلہ کشمیر پر ہمیشہ آواز بلند کی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ قائد اعظمؒ نے کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ قرار دیا تھا، کوئی بھی شہ رگ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر کسی ملک کی شہ رگ کسی دشمن نے دبوچ رکھی ہو تو وہ ملک قائم کیسے رہ سکتا ہے

مرحوم نے لاہور سے پندرہ روزہ جریدے نوائے وقت کے اجرا کا اعلان کیا جس کا مطمح نظر مسلم قومیت کے حقوق ومفادات کا تحفظ اور اردو زبان کا فروغ تھا۔ پہلا شمارہ مارچ 1940 کو شائع ہوا۔ چند برس بعد 22 جولائی 1944ء سے یہ پندرہ روزہ اخبار روزنامہ نوائے وقت میں تبدیل ہوگیا۔ دو قومی نظریہ کے محافظ حمید نظامی سپہ سالار صحافت کی حیثیت سے اِس سفر پر 25 فروری 1962ء تک ایک کامیاب مجاہد کے طور پر چلتے رہے۔ وفات سے قبل اپنے بھائی مجید نظامی کو لندن سے بلا کر حق وصداقت کا یہ علم ان کے سپرد کر دیا۔

روزنامہ نوائے وقت نے نظریہ پاکستان، مسئلہ کشمیر، محصورین بنگلہ دیش، محسن پاکستان کی طویل اسیری سمیت ہر قومی ایشو پر آوازِ حق بلند کی۔ بھارت کے جوہری دھماکے کرنے کے بعد مرحوم مجید نظامی اس وقت کے وزیر اعظم نواز شریف سے یوں مخاطب ہوئے ''آپ نے دھماکہ نہ کیا تو قوم آپ کا دھماکہ کر دے گی''۔ اور پھر دھماکہ ہوگیا۔ انہوں نے ہر جابر حکمران کے سامنے کلمہ حق بلند کیا۔ ایک باکردار صحافی کی حیثیت سے ہمیشہ حق وصداقت کا پرچم سربلند رکھا۔ ایوب خان نے کہا کہ صحافت کاروبار ہے مجید نظامی نے درجنوں زبان رکھنے والے گونگوں کی موجودگی میں برجستہ کہا کہ تو پھر اپنے بیٹے کو اخبار نکال دیں

پتہ چل جائے گا کہ کتنا نفع بخش کاروبار ہے۔ مارشل لاء کوئی لاء نہیں ہوتا اور عدالت بھی اسے قانون نہیں کہتی.....

مجید نظامی مرحوم نے صحافت کے علاوہ کوئی کام نہیں کیا۔ انہوں نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا صحافت کا آغاز زمانہ طالب علمی میں کیا۔ تقریباً چار برس تک سرراہ لکھا جو نوائے وقت کا اہم ترین کالم تھا۔ مجید نظامی مرحوم نے 3 بار بائی پاس آپریشن کروایا..... وہ کہا کرتے تھے کہ فوجی آمریتوں کے باعث دل کے مرض کا شکار ہوئے۔ انہوں نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا حمید نظامی صاحب کو مارشل لاء کے دباؤ کے باعث ہارٹ اٹیک ہوا اور وہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ عملی صحافت میں آپ پریشر بھی برداشت کر رہے ہوتے ہیں اور پیشہ ورانہ مہارت کا ثبوت بھی دے رہے

> مجید نظامی نے نصف صدی سے زیادہ وقت صحافت میں گزارا اور ہمیشہ صاف دامن کے ساتھ سربلند رہے۔ پورے بانکپن اور وقار کے ساتھ زندگی گزاری، شفاف کردار کے مالک رہے۔ ایوبی آمریت میں نوائے وقت اور مجید نظامی کا کردار تاریخ رقم کر چکا ہے

ہوتے ہیں۔ میں نے ایوب خان سے مشرف تک ہر ڈکٹیٹر کو دیکھا ہے ان کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور جمہوریت کا ساتھ دیا یہ کوئی مذاق کی بات نہیں۔ مجید نظامی نے سابق صدر آصف زرداری کو مردِ حر کہا تو اس پر خاصی لے دے ہوئی۔ ان کا موقف تھا کہ آصف زرداری نے جیل بغیر کسی سودے بازی کے کاٹی۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ جیل میں عیاشی کیا کرتے تھے مگر جیل بہرحال جیل ہی ہوتی ہے۔ انہوں نے جیل کاٹی اور معافی نہیں مانگی اور نہ سودے بازی کی۔ میں نے اپنے

اس بیان پر بہت تنقید برداشت کی کیونکہ بہت سے لوگ یہ کہتے تھے کہ آپ نے ان کو مردِ حر کہہ دیا ہے۔ میرا جواب ہوتا کہ میں نے ان کو صرف ایک خاص حوالے سے مردِ حر کہا ہے۔

مجید نظامی مسلم لیگ کے ٹکڑوں میں بٹ جانے پر رنجیدہ تھے اتحاد کی کوششیں کرتے رہے لیکن یہ حسرت دل کی دل میں رہی، مجید نظامی نے پرنٹ میڈیا کو الیکٹرانک میڈیا پر ہمیشہ فوقیت دی۔ مجید نظامی مرحوم نے مسئلہ کشمیر پر ہمیشہ آواز بلند کی۔ وہ کہا کرتے تھے کہ قائداعظمؒ نے کشمیر کو پاکستان کی شہ رگ قرار دیا تھا، کوئی بھی شہ رگ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ اگر کسی ملک کی شہ رگ کسی دشمن نے دبوچ رکھی ہو تو وہ ملک قائم کیسے رہ سکتا ہے۔ ان کی شریک حیات کا تعلق سری نگر سے تھا اور اس بات پر قائم رہے کہ کشمیر آزاد

ہوگا تو جائیں گے..... وہ کہا کرتے تھے کہ میرے ساتھ بم باندھ کر ہندوستان پر پھینک دو..... بھارتی آبی دہشت گردی پر اگر آواز حق بلند کی تو صرف مجید نظامی نے..... میانی صاحب قبرستان میں اپنی اہلیہ کی آخری آرام گاہ کے قریب انہیں بھی جگہ ملی۔۔۔ شہباز شریف تدفین تک موجود رہے، ہر آنکھ اشکبار۔۔ ہر دل رنجیدہ۔۔

http://m.hamariweb.com/articles

یہ تھے جناب مجید نظامی!

باتوں باتوں سے

افتخار مجاز

گزشتہ سے پیوستہ

ایم اے کرنے کے بعد مجھے واپڈا کے شعبہ تعلقات عامہ میں انفارمیشن آفیسر کی ملازمت مل گئی۔ ان دنوں وہاں ڈائریکٹر جنرل رضی الدین شیخ تھے جو مجید نظامی صاحب کے بہت اچھے اور گہرے دوست تھے۔

بہرحال ہوا یہ کہ یہاں ابھی بمشکل چھ ماہ ہی میری ملازمت کو گزرے تھے، مجھے پاکستان ٹیلی ویژن کے شعبہ حالات حاضری میں تعیناتی کا پروانہ مل گیا۔ ٹیلی ویژن کی یہ جاب میرا خواب تھی۔ چنانچہ میں نے واپڈا تعلقات عامہ سے استعفیٰ دے دیا، مگر میرے ڈی جی رضی صاحب نے استعفیٰ نہ منظور کرتے ہوئے مجھے واپڈا کی نوکری جاری رکھنے پر اصرار کیا اور دونوں ملازمتوں کا موازنہ کرتے ہوئے سمجھایا کہ واپڈا کس طرح ٹیلی ویژن کی نوکری سے بہتر ہے، مگر میرا خواب تو ٹیلی ویژن کی پروڈیوسری تھا، میں نے رضی صاحب سے استعفیٰ منظور کرانے کے لیے دفتر میں موجود تمام سینئرز کو سفارش کے لیے رضی صاحب کے پاس بھجوایا، مگر ان کا ایک ہی جواب تھا کہ افتخار، بچہ اور بے وقوف ہے، آئندہ زندگی کی ضرورتوں سے نہ واقف ہے اِسے جو موازنہ کر کے میں نے فرق سمجھایا ہے وہ سمجھ نہیں رہا مگر جب سمجھ آئے گی تو میرا شکر گزار ہوگا۔

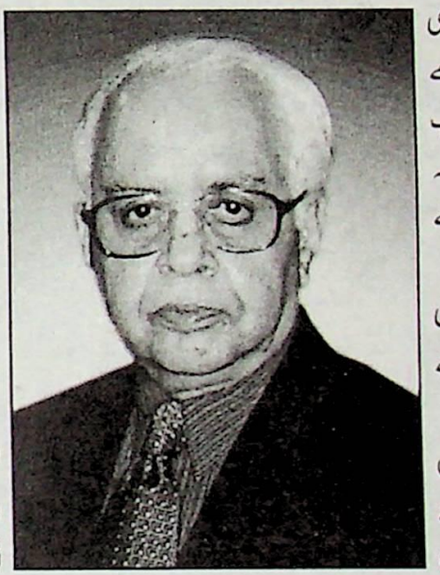

مگر ادھر مجھ پر تو ایک ہی دھن سوار تھی کہ پی ٹی وی میں پروڈیوسر بننا ہے۔ چنانچہ جب کسی طرح میری دال نہ گلی ڈی جی صاحب استعفیٰ منظور کرنے پر رضامند نہ ہوئے تو مجھے سٹرائیک ہوا کہ عارف نظامی صاحب سے سفارش کرانی چاہیے۔ میں دیکھ چکا تھا کہ عارف صاحب اور رضی صاحب کی بھی بڑی گہری دوستی اور تعلقات ہیں، چنانچہ میں نے عارف نظامی صاحب کے پاس جانے کا فیصلہ کیا، محض اتفاق جانیے کہ جونہی میں نے نوائے وقت بلڈنگ کی سیڑھیوں پر قدم رکھا اوپر سے عارف نظامی صاحب کو اترتے ہوئے دیکھا۔ ان کے پوچھنے پر میں نے کھڑے کھڑے انہیں ساری روداد سنائی اور گزارش کی کہ آپ رضی صاحب کو کہہ کر میرا استعفیٰ منظور کرا دیں۔

اب آپ عارف صاحب کی محبت اور شفقت بھی ملاحظہ کیجیے۔ وہ واپس مڑے اور مجھے اپنے کمرے میں لے گئے اور کہا کہ تمہیں ٹیلی ویژن ضرور جائن کرنا چاہیے۔ پھر کہنے لگے اگر رضی صاحب کو کہہ کر ہی استعفیٰ منظور کرانا ہے تو پھر میں نہیں کہتا، میں انہیں مجید صاحب سے کہلوا دیتا ہوں۔

عارف صاحب نے مجھ سے وعدہ کر لیا اور میں واپس لوٹ آیا۔ اگلے روز میں جب واپڈا تعلقات عامہ کے دفتر میں پہنچا تو ڈی جی صاحب نے مجھے بلوایا، کہنے لگے میری رائے اور مشورہ ہے کہ تم ٹیلی ویژن نہیں واپڈا میں جاب کرو۔ مگر اب تم نے مجید صاحب سے کہلوا دیا ہے لہٰذا انہیں تو میں انکار نہیں کر سکتا، پھر اپنے پی اے کو فون پر حکم دیتے ہوئے بولے، افتخار مجاز کا استعفیٰ لاؤ اور نظامی صاحب سے میری بات کراؤ۔ میری موجودگی میں انہوں نے مجید نظامی صاحب کو بتایا کہ آپ کے حکم کی تعمیل میں ''نوجوان'' کا استعفیٰ منظور کر لیا گیا ہے چنانچہ میں نے پی ٹی وی سنٹر چک لالہ راولپنڈی جائن کر لیا۔ تقریباً تین سال میری وہاں تعیناتی رہی۔

1983ء میں لاہور سنٹر پر تبدیل ہوا۔ تو مجھے ایک پروگرام میں جناب مجید نظامی کا انٹرویو ریکارڈ کرنے کا حکم ہوا یہ وہ زمانہ تھا جب ٹیلی ویژن پروڈیوسرز مہمانوں کو مدعو کرنے کے لیے بنفس نفیس ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے۔ اب ظاہر ہے کہ مجھے جناب مجید نظامی کے پاس حاضر ہونا تھا، مگر شدید ہچکچاہٹ ہو رہی تھی لیکن یہ کام تو بہرحال کرنا ہی تھا چنانچہ ان سے باقاعدہ وقت لیا۔ انہوں نے خوش دلی سے پذیرائی بخشی، پھر ان کے دفتر حاضر ہوا۔ چائے پلوائی اور مجھ سے واپڈا اور ٹیلی ویژن میں نوکری اور کیریئر کے حوالے سے سوالات کرتے رہے۔ پھر جب جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال اور ڈاکٹر رفیق احمد کے ہمراہ ریکارڈنگ کے لیے تشریف لائے تو اپنے دونوں دوستوں اور ہمرائیوں کو میرے بارے میں بتاتے رہے کہ یہ نوجوان یونیورسٹی میں بھی بہت متحرک طالب علم تھا، واپڈا میں بھی اچھے نقوش چھوڑے، ٹیلی ویژن میں جاب اس کی بڑی خواہش تھی، سو یہ وہاں سے یہاں آ گیا۔

نظامی صاحب کی باتیں اس امر کا واضح اظہار لیے ہوئے تھیں کہ وہ معاف کر دینے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہیں اور ان کے دل میں میرے حوالے سے کوئی رنجش اور گلہ نہیں۔ چند روز پہلے ہی میں اپنے دوست احباب کو بتا رہا تھا کہ آج جب پی ٹی وی میں 33 سال سے زائد خدمات کی انجام دہی سے میں نیوز چینل ہیڈ کی حیثیت میں ریٹائر ہوا ہوں تو مجھے اپنے کیریئر کے حوالے سے پردے کے پیچھے جو محسن نظر آتے ہیں ان میں جناب مجید نظامی کا بھی نامِ نامی ہے۔

بہرطور حرفِ آخر یہ کہ جناب مجید نظامی کی یادیں اور باتیں ان کی شخصیت کا مکمل پرتو تھیں ہمارے دلوں میں وہ ہمیشہ زندہ پائندہ رہیں گے۔

زندگی جن کے تصور سے جلا پاتی تھی ہائے کیا لوگ تھے جو دامِ اجل میں آئے

روزنامہ نئی بات 9-اگست 2014

تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن، ممتاز صحافی و چیئرمین نظریۂ پاکستان ٹرسٹ

ڈاکٹر مجید نظامیؒ کے ایصال ثواب کیلئے

محفلِ قرأت

بابرکت محفل کی صدارت ملک کے نامور قاری اور صدارتی ایوارڈ یافتہ قاری سید صداقت علی نے کی

قراء حضرات کی آمد ہمارے لیے بہت بابرکت ہے، انہوں نے حاضرین کے دلوں کو آیات قرآنی کی روح پرور تلاوت سے منور کیا۔ ڈاکٹر مجید نظامی رہبر پاکستان تھے ان کے ایصال ثواب کیلئے ابھی مزید محافل منعقد ہوں گی: شاہد رشید

نظریۂ پاکستان ٹرسٹ کے زیر اہتمام ایوانِ کارکنانِ تحریک پاکستان شاہراہِ قائداعظمؒ لاہور میں تحریک پاکستان کے سرگرم کارکن، ممتاز صحافی و چیئرمین نظریۂ پاکستان ٹرسٹ ڈاکٹر مجید نظامیؒ کے ایصال ثواب کیلئے محفل قرأت کا انعقاد کیا گیا۔ اس بابرکت محفل کی صدارت ملک کے نامور قاری اور صدارتی ایوارڈ یافتہ قاری سید صداقت علی نے کی۔ محفل کی نقابت کے فرائض قاری محمد یونس قادری نے انجام دیے۔ محفل کا باقاعدہ آغاز تلاوت کلام پاک اور نعت رسول مقبولؐ سے ہوا۔ محفل قرأت میں قاری سید صداقت علی، حافظ محمد عمر اشرف، قاری محمد ظفر سیالوی، قاری خالد عثمان علوی الازہری، قاری محمد علی، حافظ امجد علی، حافظ معاذ اکرام اور حافظ عثمان احمد نے تلاوت کلام پاک کی سعادت حاصل کی۔ محفل میں نظریۂ پاکستان ٹرسٹ اور تحریک پاکستان ورکرز ٹرسٹ کے عہدیداران و کارکنان نے شرکت کی۔ نظریۂ پاکستان ٹرسٹ کے سیکرٹری شاہد رشید نے محفل میں شریک قراء حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا آپ کی آمد ہمارے لیے بہت بابرکت ہے، آپ نے حاضرین کے دلوں کو آیات قرآنی کی روح پرور تلاوت سے منور کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ڈاکٹر مجید نظامی رہبر پاکستان تھے ان کے ایصال ثواب کیلئے ابھی مزید محافل منعقد ہوں گی۔ اس محفل کا اہتمام صوت القراء انٹرنیشنل کے تعاون سے کیا گیا تھا۔

نظریۂ پاکستان ٹرسٹ کے زیر اہتمام ایوان کارکنان تحریک پاکستان لاہور میں ڈاکٹر مجید نظامی کے ایصال ثواب کے لیے منعقدہ محفل قرآت میں صدارتی ایوارڈ یافتہ قاری سید صداقت علی، حافظ محمد عمر اشرف، قاری محمد ظفر سیالوی، قاری محمد علی، قاری خالد عثمان علوی الازہری تلاوت قرآن پاک کی سعادت حاصل کر رہے ہیں جبکہ نقابت کے فرائض قاری محمد یونس قادری نے انجام دیے

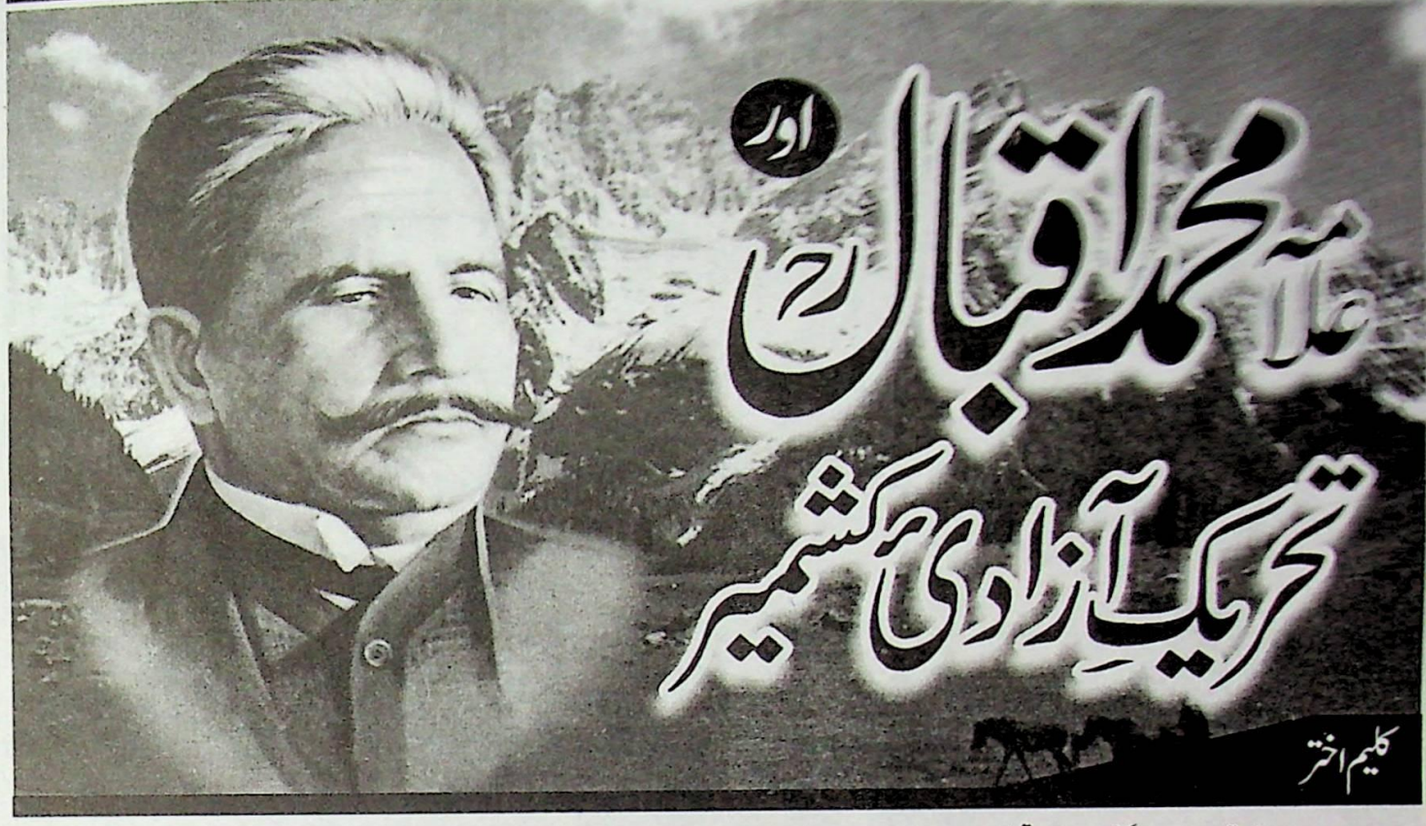

علامہ محمد اقبالؒ کا تحریک حریت کشمیر سے گہرا تعلق تھا اور اگر یہ کہا جائے کہ کشمیری عوام نے انہی کے ایماء پر اپنی جدوجہد کا آغاز کیا تو غلط نہ ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ آپ تازیست تحریک حریت کشمیر سے فکری و عملی طور پر وابستہ رہے اور زندگی کے کسی دور میں بھی اس سے لاتعلق یا بیگانہ نہیں ہوئے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ نے اپنی سیاسی زندگی میں جن امور و مسائل کو بے حد اہمیت دی ان میں کشمیریوں کی آزادی بھی شامل تھی۔ علامہ محمد اقبالؒ کے آباد اجداد کا تعلق خطہ کشمیر سے تھا اور ایک تحقیق کے مطابق آپ کے بزرگوں کا مسکن ''چکر'' تھا جو سرینگر سے چند میل کے فاصلے پر ''شوپیاں'' کے راستے میں تھا۔ اب وہ گاؤں امتداد زمانہ کے باعث نابود ہو چکا ہے۔ یہ برہمنوں کا گاؤں تھا۔ علامہ محمد اقبالؒ کے جد اعلیٰ برہمن تھے جن کی گوت' سپرو تھی۔ جب وہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو ''بابا لول حج'' کے نام سے مشہور ہوئے۔ ''لول'' کشمیری زبان میں محبت اور پیار کو کہتے ہیں۔ اُنہوں نے کئی حج کئے جن کی بنا پر لول حج کہلائے۔ یہ حضرت نورالدین رشی ولیؒ کے خلیفہ بابا نصیرالدین نصر واشی ولیؒ کے دست حق پر مسلمان ہوئے تھے۔ ان کا اسلامی نام بابا صالح تھا۔

علامہ محمد اقبالؒ نے اپنے بزرگوں کے برہمن ہونے کا ذکر یوں کیا ہے۔

میں اصل کا خاص سومناتی
آبا مرے لاتی و مناتی

پھر فرمایا:

مرا ترکہ در ہندوستان دیگر نمی بینی
برہمن زادہ رمز آشنائے روم و تبریز است

(مجھے دیکھ کر ہندوستان میں میرے سوا تجھے کوئی شخص ایسا نظر نہیں آئے گا جو برہمن زادہ ہو اور روم و تبریز کے رمزوں کا آشنا ہو)

ایک اور مقام پر فرمایا:

میر و مرزا بر سیاست دل و دیں باختہ اند
جز برہمن پسرے محرم اسرار کجاست

(میر و مرزا اپنا دل اور دین' سیاست کی نذر کر چکے ہیں..... برہمن کے بیٹے یعنی میرے سوا اور کون (خدا کے) راز کا محرم ہو سکتا ہے۔)

اپنے کلامِ دل نواز میں ایک جگہ فرمایا ہے کہ:

''ہندیاں را ذوق آزادی کہ داد''

یعنی ہندیوں کو آزادی کے ذوق سے کس نے آشنا کیا اور کیا یہ برہمن زادگان نہ تھے۔ پھر کشمیر کے عظیم و ممتاز شاعر غنی کاشمیری کے آباد اجداد کے بارے میں بھی یہ کہا جاتا ہے کہ وہ برہمن تھے۔ بہرحال علامہ اقبالؒ عاشق رسول ﷺ تھے اور یہی ان کی سب سے بڑی اور اول و آخر نسبت ہے..... پھر خود ہی کہہ گئے ہیں کہ:

''کوئی پنڈت مجھے کہتا ہے تو شرم آتی ہے''

علامہ محمد اقبالؒ کے بزرگوں میں سے جس فرد نے سب سے پہلے ترک وطن کیا ان کا نام شیخ جمال الدین تھا جو علامہ اقبالؒ کے پڑدادا تھے۔ اُنہوں نے اٹھارویں صدی میں ہجرت کی اور سیالکوٹ کو اپنا مستقر بنایا۔ علامہ محمد اقبالؒ کے والد ماجد کا نام شیخ نور محمد تھا نہایت ہی متقی اور پرہیزگار

> 1927ء میں کشمیر سے واپسی پر علامہ محمد اقبالؒ نے کشمیری لیڈروں پر زور دیا کہ وہ ریاست کا دورہ کرنے والے وائسرائے ہند کو اپنی تکالیف و مصائب کے اظہار پر مبنی ایک یادداشت پیش کریں۔ وائسرائے کی واپسی کے فوراً بعد مہاراجہ پرتاپ سنگھ نے یادداشت پیش کرنے والے مسلمان لیڈروں کو گرفتار بھی کر لیا

انسان تھے اور علوم دینیہ سے واقف اور عاشق قرآن حکیم تھے۔ علامہ محمد اقبالؒ کی زندگی پر ان کے والد مرحوم کا گہرا اثر تھا۔ آپ نے انہیں اپنے مرشد بھی لکھا ہے۔ علامہ محمد اقبالؒ

علامہ محمد اقبالؒ کی مساعی جمیلہ سے چونکہ تحریک حریت کشمیر کو تقویت پہنچ رہی تھی اور مسلمانان ہند کے اکابرین ایک مرکز پر جمع ہو گئے تھے اس لئے ڈوگرہ حکومت اور غیر مسلموں نے علامہ اقبالؒ کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا

کے والد مرحوم کی دین پرستی اور شرافت ونجابت مسلمہ تھی اور شمس العلماء مولوی میر حسن صاحب سے ان کی دوستی تھی۔ ان کا گھریلو ماحول کشمیری تہذیب کے مطابق تھا اور ان کی

رہائش گاہ بھی اس محلہ میں تھی جہاں زیادہ تر کشمیری آباد تھے۔ آپ کے ہم جماعتوں میں کئی کشمیری طالب علم تھے جن میں مولانا میر محمد ابراہیم سیالکوٹی قابل ذکر ہیں۔ سیالکوٹ، ریاست جموں وکشمیر کی سرحد پر واقع ہے اس لئے ریاست کے حالات سے آپ پوری طرح باخبر رہتے تھے۔ انہی ایام میں آپ کی دوستی مؤرخ کشمیر مولانا محمد دین فوق سے ہوئی جو کشمیر کے موضوع پر کتابیں لکھتے تھے۔ ان کا تعلق بھی وادیٔ کشمیر سے تھا اور ان کے بزرگ بھی ترک وطن کر کے سیالکوٹ کے ایک گاؤں ''گڑتل'' میں آ بسے تھے۔ فوق مرحوم ازاں بعد لاہور منتقل ہو گئے اور جب علامہ اقبالؒ انٹرمیڈیٹ کا امتحان پاس کر کے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخل ہوئے تو اس وقت لاہور میں میاں کریم بخش مرحوم (میاں امیر الدین کے دادا) نے ایک تنظیم ''انجمن کشمیری مسلمانانِ پنجاب'' کے نام سے قائم کی تھی۔ 1906ء میں علامہ محمد اقبالؒ اس انجمن سے وابستہ ہوئے اور اس کے سیکرٹری جنرل بھی بنے۔ اُنہوں نے اس انجمن کے لئے ایک طویل نظم لکھی۔

ہزار شکر کہ اک انجمن ہوئی قائم
یقین ہے راہ پر آئے گا طالع واژوں

اس نظم کے 29 اشعار ہیں اور آخری شعر یوں ہے۔

جو تیری قوم کا دشمن ہو اس زمانے میں
اسے بھی باندھ لے اقبالؒ صورت مضمون

علامہ محمد اقبالؒ کے کشمیری دوستوں میں خواجہ

آپ کو حضرت شاہ ہمدانؒ سے بے حد عقیدت وارادت تھی جن کی کوششوں سے کشمیر میں اسلام پھیلا۔ علامہ محمد اقبالؒ پر کشمیر میں داخلے پر پابندی تھی اور آپ باوجود شدید خواہش کے ایک آدھ دفعہ سے زیادہ کشمیر نہ جا سکے

عبدالصمد کمرو رئیس اعظم بارہ مولا، خواجہ سعد الدین شال، نور شاہ نقشبندی، منشی سراج الدین (میر منشی) منشی شیخ سراج الدین خان، میر خورشید احمد، سردار گوہر رحمٰن لودھی، شیخ محمد عبداللہ اور میر واعظ ہمدانی قابل ذکر ہیں۔ علامہ محمد اقبالؒ کی یہ بڑی خواہش تھی کہ وہ خطہ کشمیر جائیں چنانچہ 1908ء میں آپ نے فوق مرحوم کے نام خط میں اس خواہش کا اظہار کیا لیکن وہ جون 1921ء میں کشمیر گئے اور وہ بھی ایک مقدمہ کی پیروی کے سلسلے میں..... یہ مقدمہ جموں کے مشہور ٹھیکیدار اور لیڈر شیخ محمد امین مرحوم کے بزرگوں کا تھا۔ صاحب زادہ محمد عمر مرحوم سے بھی دوستی تھی جو ممتاز ادیب اور ڈرامہ نگار گزرے ہیں۔ کشمیر میں علامہ محمد اقبالؒ کے ایک دیرینہ ہم جلیس منشی سراج الدین (میر منشی کشمیر ریذیڈنسی) تھے جو لاہور کے کشمیری خاندان کے چشم و چراغ تھے مگر اُنہوں نے تعلیم سیالکوٹ میں مولوی میر حسن صاحب سے پائی تھی۔ اس اعتبار سے اقبالؒ اور سراج دونوں استاد بھائی تھے۔ اسی زمانہ میں کشمیر میں چودھری خوشی محمد ناظر بھی تھے جن کی دوستی جسٹس شاہ دین ہمایوں مرحوم سے تھی۔ جسٹس شاہ دین مرحوم ہندوستان کی مسلم تہذیب کے نمائندہ تھے۔ علی گڑھ تحریک میں سر سید احمد خان کے ساتھی تھے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ مسلم ایجوکیشنل کانفرنس میں کشمیریوں کی تعلیمی حالت کے بارے میں سب سے پہلی آواز جسٹس شاہ دین ہمایوں نے اٹھائی تھی۔ وہ بھی ہر سال کشمیر جاتے تھے۔ ان کا ایک شعر ہے۔

ناظر بڑا مزا ہو اگر اقبالؒ ساتھ دے
ہر سال ہم ہوں شیخ ہو اور شالامار ہو

شیخ سے مراد شیخ عبدالقادر مرحوم ہے۔ اس نظم کا ایک مصرع ہے:

''مر جائیے تو ڈل کے کنارے مزار ہو''

1921ء کے سفرِ کشمیر کے بعد علامہ محمد اقبالؒ نے تین نظمیں کشمیر کے موضوع پر لکھیں جو ''پیام مشرق'' میں شامل ہیں۔ ان کے کلام کا ایک حصہ کشمیر سے متعلق ہے اور اسے نہایت عشق اور سوز و مستی میں ڈوب کر لکھا ہے۔ فرماتے ہیں۔

تم گلے زخیابان جنت کشمیر

آپ کے ابتدائی کلام میں کشمیر سے متعلق کئی

رباعیات و قطعات ملتے ہیں جو فوق مرحوم کے اخبار ''کشمیری گزٹ'' اور بعدازاں ''کشمیری میگزین'' میں شائع ہوئے ایک قطعہ ہے۔

کشمیر کا چمن جو مجھے دلپذیر ہے
اس باغ جانفزا کا یہ بلبل اسیر ہے
ورثے میں ہم کو آئی ہے آدم کی جائیداد
جو ہے وطن ہمارا وہ جنت نظیر ہے

آپ کے کلام بالخصوص ''ارمغان حجاز'' اور ''جاوید نامہ'' میں کشمیر کے بارے میں خوبصورت نظمیں ہیں جن میں ''وادی لولاب'' بھی شامل ہے۔

پانی تیرے چشموں کا تڑپتا ہوا سیماب
اے وادیٔ لولاب
مرغان سحر تیری فضاؤں میں ہیں بے تاب
اے وادیٔ لولاب
بیدار ہوں دل جن کی فغان سحری سے
اس قوم میں مدت سے وہ درویش ہے نایاب
اے وادیٔ لولاب

پھر فرمایا:

آج وہ کشمیر ہے محکوم و مجبور و فقیر
کل جسے اہل نظر کہتے تھے ایرانِ صغیر

آپ کو حضرت شاہ ہمدانؒ سے بے حد عقیدت وارادت تھی۔ ان کی کوشش سے کشمیر میں اسلام پھیلا اور یہ ریاست ایک مسلم ریاست بنی۔ علامہ محمد اقبالؒ کے ''جاوید نامہ'' میں حضرت شاہ ہمدانؒ سے مکالمہ بڑا ایمان افروز اور پُراز حکمت ہے۔ علامہ اقبالؒ کی تحریک پر کشمیریوں نے تحریک حریت جاری کی۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ کشمیر سے واپسی کے بعد آپ پریشان رہنے لگے تھے تو آپ نے کشمیری لیڈروں کو مشورہ دیا کہ آپ کشمیر میں دورے پر آنے والے وائسرائے ہند کو ایک مختصر یادداشت (میمورنڈم) پیش کریں جس میں اپنی تکالیف کو بیان کیا جائے۔ پھر یہ مصدقہ بات ہے کہ علامہ اقبالؒ نے یہ کام لاہور ہائیکورٹ کے فاضل جج آغا حیدر سے لیا۔ اُنہوں نے یہ میمورنڈم لکھا جو معززین کشمیر نے بڑی جرأت سے مہاراجہ کشمیر پرتاپ سنگھ کی موجودگی میں لارڈ ریڈنگ کو پیش کیا۔ مہاراجہ اس سے پریشان ہوا۔ وہ اس وقت تو خاموش رہا مگر

> آپ 1906ء میں ''انجمن کشمیری مسلمانانِ پنجاب'' سے وابستہ ہوئے اور بعدازاں اس کے جنرل سیکرٹری بنے۔ علامہ محمد اقبالؒ کہتے ہیں کہ اہل خطہ قومیت اسلامیہ ہند کے جسم کا بہترین حصہ ہیں' اگر وہ حصہ درد و مصیبت میں مبتلا ہے تو ہو نہیں سکتا کہ باقی افراد ملت فراغت کی نیند سوئیں''

وائسرائے ہند کے واپس جانے کے بعد معززین کشمیر کی گرفتاری کا حکم دیا اور ان لیڈروں کو پابند سلاسل کر دیا۔ ان میں سے بیشتر لوگوں نے معافی مانگ لی مگر خواجہ سعد الدین

شال اور سید نور شاہ نقشبندی ثابت قدم رہے۔ ان کی جائیدادیں ضبط کر لی گئیں اور خود انہیں وطن بدر کر دیا۔ ان دونوں کشمیری لیڈروں نے جلاوطنی کا سارا عرصہ بارود خانہ میں میاں امیر الدین کے ہاں گذارا۔ علامہ محمد اقبالؒ کو اس بات کا بہت قلق تھا۔ اس عرصہ میں مہاراجہ پرتاب سنگھ مر گیا اور اس کا بیٹا ہری سنگھ تخت نشین ہوا جس کا دوست نواب طالع یار خان آف پالن پور تھا جو علامہ محمد اقبالؒ کا عقیدت مند تھا۔ علامہ محمد اقبالؒ نے نواب پالن پور سے ان جلاوطن کشمیری لیڈروں کا ذکر کیا۔ نواب نے مہاراجہ ہری سنگھ سے بات کی چنانچہ خواجہ سعد الدین شال اور سید نور شاہ نقشبندی کی وطن واپسی ہوئی اور ضبط شدہ جائیداد بھی واگزار کر دی گئی۔ اس عرصہ میں ریاست میں ینگ منیز مسلم ایسوسی ایشن جموں' انجمن اسلامیہ قلمرو جموں' ریڈنگ روم پارٹی سرینگر' انجمن نصرت اسلام سرینگر قائم ہو چکی تھیں۔ ان جماعتوں کے کارکنوں کے علامہ محمد اقبالؒ سے گہرے روابط تھے بلکہ 1922ء میں ابوالاثر حفیظ جالندھری مرحوم پہلی بار علامہ اقبالؒ کے ارشاد پر ہی جموں و کشمیر گئے تھے اور ان کے دوست مؤرخ کشمیری منشی محمد دین فوق کی تحریروں نے کشمیریوں میں روح آزادی پیدا کر دی تھی۔ اسی زمانے میں پروفیسر محمد علم الدین سالک مرحوم اور مولوی محمد عبداللہ قریشی نے تحریک کشمیر میں حصہ لینے کا آغاز کیا۔ ان سب دانشوروں' صحافیوں اور لیڈروں کے پس پشت علامہؒ ہی تھے۔

> علامہ محمد اقبالؒ کے آباواجداد کا تعلق چونکہ اسی وادی جنت نظیر سے تھا اور ترک وطن کے باوجود وطن کی محبت ہمیشہ ان کے دل میں جاگزیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ محمد اقبالؒ کو جو چیزیں ورثہ میں ملیں ان میں کشمیری ثقافت بھی تھی

کشمیر کی آزادی کے لئے علامہ محمد اقبالؒ کیا جذبہ رکھتے تھے۔ اسی سلسلہ میں میر واعظ مولانا احمد اللہ لکھتے ہیں

کہ جب انہیں جلاوطن کیا گیا تو وہ لاہور میں علامہ اقبالؒ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اپنی جلاوطنی کا بتایا۔ اس پر علامہ اقبالؒ نے فرمایا..... ''مولانا اگر آپ اس جلاوطنی سے کشمیر میں ڈوگرہ کی گولی کھا کر شہید ہو جاتے تو مجھے اس

> علامہ محمد اقبالؒ کے کلام کا ایک حصہ کشمیر سے متعلق ہے جو نہایت عشق اور سوز و مستی میں ڈوب کر لکھا گیا ہے۔ آپ کے ابتدائی کلام میں کشمیر سے متعلق کئی رباعیات وقطعات ملتے ہیں جو فوق مرحوم کے اخبار ''کشمیری گزٹ'' اور بعدازاں ''کشمیری میگزین'' میں شائع ہوئے

کی زیادہ خوشی ہوتی'' (تاریخ حریت کشمیر)..... 1931ء کے دوران کشمیر کے مقدمات کے سلسلے میں آپ نے پنجاب اور بہار سے وکلا کو پیروی کے لئے سرینگر روانہ کیا اور چندہ کیلئے ذاتی طور پر اپیل کی۔ 1932ء میں آپ نے شیخ محمد عبداللہ کے نام خط میں کشمیری لیڈروں کے باہمی اختلافات پر ناراضگی کا اظہار کیا اور کشمیریوں کو آزادی کے حصول کے لئے اپنی صفوں میں مکمل اتحاد و اتفاق کی تلقین کی اور یہاں تک کہا کہ.....

..... ''بہر حال اہل خطہ قومیت اسلامیہ ہند کے جسم کا بہترین حصہ ہیں اور اگر وہ حصہ درد و مصیبت میں مبتلا ہے تو ہو نہیں سکتا کہ باقی افرادِ ملت فراغت کی نیند سوئیں''

..... یہ الفاظ علامہ محمد اقبالؒ نے 30 جون 1933ء میں اس اپیل میں لکھے جسے آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے جاری کیا تھا اور یہ عجیب بات ہے کہ آج ساٹھ سال گزر جانے کے بعد اہل خطہ اسی درد و آلام اور مصائب میں مبتلا ہیں فرق صرف اتنا ہے کہ اس وقت ظالم ہاتھ ڈوگروں کے تھے اور آج دار و گیر کا سبب بھاتی حکومت ہے۔!

علامہ محمد اقبالؒ کو اوائل عمر سے ہی کشمیر اور کشمیری مسلمانوں کے امور و معاملات سے دلچسپی اور ہمدردی رہی ہے اور تا زیست آپ نے اپنی گوناگوں مصروفیات اور فکری و شعوری تخلیقات کے باوجود اس مسئلہ کو اولیت دی۔ اگر تحریک حریت کشمیر کی تاریخ کا جائزہ لیں تو یہ بات روز روشن کی مانند عیاں ہوتی ہے کہ کشمیری مسلمانوں کی تحریک آزادی کے داعی اولین آپ ہی تھے جن کی مساعی جمیلہ سے خفتہ بخت کشمیری بیدار ہوئے اور ڈوگرہ شاہی سے ٹکرائے۔ علامہ محمد اقبالؒ کے آباواجداد کا تعلق چونکہ اسی وادی جنت نظیر سے تھا اور ترک وطن کے باوجود وطن کی محبت ہمیشہ ان کے دل میں جاگزیں رہی۔ یہی وجہ ہے کہ علامہ محمد اقبالؒ کو جو چیزیں ورثہ میں ملیں ان میں کشمیری ثقافت بھی تھی۔ علامہ محمد اقبالؒ اور ان کے ہمدم دیرینہ منشی محمد دین فوق مؤرخ کشمیر نے اپنے زمانہ طالب علمی ہی میں کشمیر کے بارے میں دلچسپی لینا شروع کر دی تھی۔ 1908ء میں فوق مرحوم کے نام لکھے گئے خطوط میں علامہ محمد اقبالؒ نے کشمیر

جانے کی خواہش ظاہر کی ہے اگر ہم کشمیری سیاسیات کے حوالہ سے ان کی کوششوں، جذبات اور قربانیوں کو دیکھیں تو آپکی شخصیت ایک ایسے سیاست دان کی صورت میں اجاگر ہوتی ہے جو سراسر کردار کا غازی تھا۔ ایک ایسا غازی جس نے محکوم و مقہور کشمیری مسلمانوں کو آزادی کی نعمت سے آشنا کیا اور انہیں ان کے عظیم الشان ماضی کی داستان سنا کر زندہ رہنے کیلئے آبرومندانہ زندگی بسر کرنے کے لئے مرنے کا راستہ دکھایا۔ علامہ اکبرالہ آبادی فرماتے ہیں:

جو دیکھی ہسٹری اپنی تو یہ کامل یقین آیا
جسے مرنا نہیں آیا اسے جینا نہیں آیا

..... علامہ محمد اقبالؒ کو مسلمانوں سے کتنا عشق تھا، اس کا اندازہ ان کی اس تحریر سے ہوتا ہے جو اُنہوں نے 1926ء میں کونسل کی اُمیدواری کے اعلان میں لکھی تھی۔

''میرا ناچیز وجود اس طرح ملت کیلئے زیادہ مفید ہو سکے جس کی خدمت میں میری زندگی کے تمام لیل و نہار گزرے۔ میرے خیالات و جذبات ہر مسلمان پر روز روشن کی طرح آشکار ہیں۔''

علامہ محمد اقبالؒ اپنی زندگی میں پہلی اور آخری بار 1921ء میں کشمیر گئے تھے اور وہاں تحریک آزادیٔ کشمیر کا بیج بویا۔ آپ کے کلام بلاغت نواز کا ایک حصہ کشمیر سے متعلق ہے۔ لیکن بحیثیت ایک سیاستدان کے آپ نے تحریک کشمیر کے بارے میں جو بیانات جاری کئے وہ نہ صرف اس عہد سیاست کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ ان سے ان حالات کا بھی پتہ چلتا ہے جن میں تحریک حریت کشمیر کا آغاز ہوا۔ تحریک حریت کشمیر کا انقلابی دور 1931ء میں جولائی کے خونیں حادثہ کے بعد شروع ہوتا ہے اس روز ڈوگرہ حکومت نے سرینگر میں سنٹرل جیل کے باہر نہتے کشمیری مسلمانوں پر گولی چلا دی جس کے نتیجے میں بائیس (22) افراد شہید ہو گئے تھے۔ اس المناک واقعہ نے مسلمانان ہند کو تڑپا دیا۔ علامہ محمد اقبالؒ بالخصوص شدید متاثر ہوئے آپ نے 14 اگست 1931ء کو یوم کشمیر منانے کا اعلان کیا اور ایک اپیل جاری کی۔ یہ اپیل علامہ محمد اقبالؒ کی طرف سے جاری کی گئی۔ اس کا متن یہ ہے:-

''مسلمانوں! پے در پے حملے کر کے تمہارے دشمن کو اب یہ گمان ہو گیا ہے کہ مسلمان ایک مردہ قوم

> آپ کی اپیل پر مسلمانانِ برصغیر نے 13 جولائی 1931ء کے خونیں واقعہ کی مذمت میں 14 اگست 1931ء کو ''یومِ کشمیر'' منایا۔ علامہ محمد اقبالؒ کا کہنا تھا کہ کشمیریوں کی نجات اسی میں ہے کہ وہ ایک متحدہ تنظیم میں شیرازہ بند ہو جائیں

ہیں۔ اس گمان کو غلط ثابت کرنے کیلئے آپ کا یہ فرض ہے کہ ''یوم کشمیر'' کو کامیاب بنائیں اور دشمن پر عملاً ثابت کر دیں کہ آپ ظلم و تعدی کو برداشت کرنے کیلئے ہرگز تیار نہیں ہیں''۔

..... چنانچہ 14 اگست 1931ء کو یوم کشمیر منانے کیلئے مسلمانان لاہور کا ایک شاندار جلوس نکلا۔ جلوس کے اختتام پر ایک جلسہ زیر صدارت علامہ محمد اقبالؒ منعقد ہوا۔ تلاوت قرآن پاک کے بعد آپ نے صدارتی تقریر میں فرمایا۔

''پہلے پنجاب اور ہندوستان کے مسلمان، کشمیر کے حالات میں بہت کم دلچسپی لیتے تھے بلکہ وہ لوگ جو کشمیر سے یہاں آئے وہ بھی اس کی تاریخ سے پوری طرح واقفیت نہیں رکھتے تھے۔ اب جو مظالم کشمیر میں برپا کئے گئے اُنہوں نے اہل پنجاب کو بھی بیدار کر دیا ہے ان کے متعلق دربار کشمیر اور ہندو اخبارات نے بعض غلط فہمیاں پھیلا رکھی ہیں اور رعایا کی طرف سے جائز مطالبات پیش کرنے کو بغاوت یا ہندو مسلم فسادات کا نام دیا جاتا ہے۔ لیکن میں دعویٰ سے کہتا ہوں کہ یہ ہندو مسلم فسادات نہیں ہیں۔ میرے پاس کشمیر کے کئی پنڈت حکومت کے خلاف شکایات لے کر آئے۔ میں نے انہیں مشورہ دیا کہ مسلمانوں سے متحد ہو کر حکومت کے سامنے مطالبات پیش کریں۔ چنانچہ مسلمانوں نے جو عرصہ سے اپنے جائز حقوق کیلئے ہاتھ پاؤں مار رہے تھے اب منظم طریق پر مطالبات پیش کرنے کی کوشش کی تو حکومت کشمیر اور ہندو اخبارات نے بے بنیاد خبریں اڑا کر اسے فرقہ وارانہ فساد قرار دے دیا۔ اب ریاست نے ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا ہے۔ لیکن مسلمان اس کی ہیئت ترکیبی سے مطمئن نہیں اور اُنہوں نے اس پر عدم اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے اس کا مقاطعہ کر دیا ہے۔ جو شہادتیں پیش کی جاتی ہیں ان میں کوشش کی جاتی ہے

کہ مسلمانوں کے مظاہرے کو سازش ثابت کریں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی تحریک کا اثر اہل کشمیر پر بھی ہونا لازمی تھا۔ چنانچہ وہ بھی اپنے پڑوسیوں کی حالت سے متاثر ہو کر بیدار ہو گئے۔ زمانہ خود لوگوں کو بیدار کر رہا ہے اور کشمیر میں عرصے سے جو مظالم برپا ہیں اس کی موجودگی میں ضروری تھا کہ وہاں کی رعایا بھی اپنے جائز حقوق کا مطالبہ کرتی اس موقعہ پر علامہ صاحب نے اپنے چند شعر سنائے جن کا مفہوم یہ تھا کہ حکومت صرف دو طریقوں پر قائم رہ سکتی ہے ایک تو یہ کہ ملک کو بزور شمشیر فتح کر کے اس پر تسلط قائم کیا جائے اور دوسرے عوام کی رضا جوئی سے حکومت کی جائے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کسی ملک کو روپے سے خرید کر اس پر حکمرانی کی جائے۔

''تاریخ گواہ ہے کہ جو لوگ تلوار سے کسی ملک کو فتح کرتے ہیں ان کی حکومت بھی رعایا کی خوشنودی کے بغیر نہیں چل سکتی۔ بادشاہی خریدنے سے نہیں چل سکتی اس لئے ہر ملک کے حکام کیلئے ضروری ہے کہ رعایا کی رضا جوئی حاصل کریں۔''

اس اجلاس میں سید محسن شاہ مرحوم بھی شریک تھے۔ آپ نے اپنی تقریر میں کہا کہ ''کیسری'' نے لکھا ہے کہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ وہاں (کشمیر) کے وزیر اعظم بننا چاہتے ہیں اور میں جج بننے کا آرزومند ہوں۔

اس موقعہ پر علامہ محمد اقبالؒ نے مداخلت کرتے ہوئے فرمایا:

''میں ایسے حاکم کی وزارت پر لعنت بھیجتا ہوں۔''

انہی ایام میں علامہ محمد اقبالؒ نے کشمیری مسلمانوں کیلئے چندہ لینے کیلئے چند بزرگان پنجاب کے ہمراہ ایک اپیل شائع کرائی۔ ایک نوٹ میں آپ نے توجہ دلائی کہ جملہ رقوم انہیں یا کسی اور شخص کو نہ بھیجی جائیں بلکہ مسلم بینک آف انڈیا میں جمع کرائی جائیں۔ اپیل درج ذیل ہے۔

''کشمیر کے حالات روز بروز خطرناک صورت اختیار کر رہے ہیں اور مسلمانان پنجاب کا دائرہ عمل بھی وسیع ہوتا چلا جا رہا ہے۔ ہمارے اہل وطن اس تحریک کو فرقہ وارانہ رنگ دے کر دبانا چاہتے ہیں۔ ان حالات میں ہمیں نہ صرف کشمیر کے مظلوم بھائیوں کی امداد کرنا ہے بلکہ اس زہریلے پروپیگنڈا کا بھی مقابلہ کرنا ہے جس کیلئے بہت سے روپیہ کی ضرورت ہے اس لیے ہم نیازمند مسلمانانِ پنجاب بلکہ مسلمانان ہند سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ اس کارِ خیر میں مالی امداد فراہم کر کے عنداللہ ماجور ہوں۔ تمام روپیہ بذریعہ منی آرڈر بیمہ یا چیک پتہ ذیل پر بھجوایا جائے اور ساتھ ہی یہ واضح کر دیا جائے کہ اس روپیہ کو آل انڈیا کشمیر کمیٹی کے حساب میں جمع کیا جائے۔ پتہ ''مسلم بینک آف انڈیا لمیٹڈ لاہور''

علامہ محمد اقبالؒ کی مساعی جمیلہ سے چونکہ تحریک حریت کشمیر کو تقویت پہنچ رہی تھی اور مسلمانان ہند کے

اکابرین ایک مرکز پر جمع ہو گئے تھے اس لئے ڈوگرہ حکومت اور غیر مسلموں نے علامہ اقبالؒ کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا چنانچہ اس ضمن میں مسٹر راگھون نے ''ٹریبون'' اخبار میں مورخہ 26 اگست 1933ء میں لکھا کہ ''بعض

> علامہ محمد اقبالؒ کا تحریک حریت کشمیر سے گہرا تعلق تھا اور آپ ہی کے ایماء پر کشمیریوں نے جدوجہد آزادی کا آغاز کیا۔ آپ گوناگوں مصروفیات کے باوجود تازیست تحریک حریت کشمیر سے وابستہ رہے

شخصیتوں کی نیتوں کا حال اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ شورشِ کشمیر کے دوران میں برطانوی ہند کے ایک ممتاز لیڈر نے کشمیر کی وزارت میں کوئی عہدہ حاصل کرنے کے لئے درخواست دی ہے۔ اس پر مدیر انقلاب ''مولانا غلام رسول مہر نے یہ فقرہ پڑھ کر علامہ محمد اقبالؒ سے استفسار کیا کہ ''یہ ممتاز لیڈر'' کون ہو سکتا ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا..... ''میں نہیں کہہ سکتا کہ اس سے کون مراد ہے لیکن چونکہ پہلے بھی ایک ہندو اخبار میرا نام لے چکا ہے اور ممکن ہے کہ مسٹر راگھون کے اس فقرے سے بھی کسی کو غلط فہمی ہو سکتی ہے اس لئے میں اپنے متعلق نہایت زور سے اس افواہ کی تردید کرتا ہوں میں نے ''یوم کشمیر'' کے جلسے میں صاف صاف کہہ دیا ہے کہ میں ایسی وزارت پر لعنت بھیجتا ہوں میں نے تو اس وزارت سے بڑی بڑی چیزوں کیلئے بھی کسی سے درخواست نہیں کی علاوہ برآں میں آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا ممبر ہوں جو کشمیر کے نظام حکومت میں اصلاحات چاہتی ہے۔ میرے نزدیک اس کمیٹی کا ممبر ہونے کی حالت میں کوئی ایسی حرکت کرنا دیانت و امانت کے خلاف ہے۔'' علامہ محمد اقبالؒ تحریک حریت کشمیر کو ایک امانت سمجھتے تھے اور وہ اسے ملت اسلامیہ کی تحریک آزادی کا ایک اہم حصہ قرار دیتے تھے۔ لیکن جب آپ نے یہ دیکھا کہ بعض عناصر اس تحریک کے پردے میں اپنے منفی مقاصد کی تکمیل کے خواہاں ہیں تو آپ نے آل انڈیا کشمیر کمیٹی سے استعفیٰ دیدیا اور اپنی ذاتی حیثیت میں تا مرگ (21 اپریل 1938ء) اس سے وابستہ رہے مگر کوئی ایسا کام نہ کیا جو ان کے عقیدے کے خلاف تھا۔ اس ضمن میں رفیق افضل ''گفتار اقبالؒ'' میں لکھتے ہیں 1931ء میں کشمیر میں ریاستی نظم و نسق اور مسلمانوں کی بدحالی کے باعث تحریک آزادی شروع ہوئی۔ مسلمانان پنجاب نے کشمیری مسلمانوں کی اعانت کیلئے ایک کشمیر کمیٹی بنائی۔ علامہ محمد اقبالؒ اس کے سرگرم رکن تھے۔ مرزا بشیر الدین محمود امیر جماعت احمدیہ کی کمیٹی کے مرزائی عنصر سے اختلاف کی وجہ سے آپ نے اس کی صدارت سے استعفیٰ دیدیا اور ایک نئی کشمیر کمیٹی بنائی۔ آپ نے کشمیری مسلمانوں کی امداد کیلئے 30 جون 1933ء کو ملک برکت علی کے ساتھ درج ذیل اپیل شائع کرائی۔

''برادران اسلام!

گزشتہ چند سال سے مسلمانان خطۂ کشمیر جن مصائب و مشکلات میں مبتلا ہیں جن کا چرچا نہ صرف آپ کے ہر شہر میں، ہر گاؤں میں اور ہر گھر میں ابتداء سے رہا ہے اور اب تک موجود ہے بلکہ ان کا قومی احساس اکثر مواقع پر افراد قوم کے سوئے ہوئے ملی جذبات کو بیدار کر کے انہیں اخوت اسلامیہ کے بھولے ہوئے سبق از سر نو یاد دلانے اور ملت مرحوم کے فعال عناصر بنانے کا موجب بن چکا ہے۔ موجودہ زمانے میں ہندوستان کے اندر تحریک خلافت کے بعد تحریک کشمیر ایک ایسی تحریک ہے جس سے خالص اسلامی جذبات کو عملی مظاہرے کا موقع ملا اور جس نے قوم کے تن مردہ میں حیات تازہ کی لہر ایک دفعہ پھر دوڑائی۔ جن قومی جماعتوں نے اہل خطہ کے ساتھ عملی ہمدردی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا آپ کو تسلیم ہوگا کہ آل انڈیا کشمیر کمیٹی کا نام ان کی صف اول میں ہے۔ مقصد ایک ہو تو مختلف جماعتوں اور اداروں کے عملی طریقہ ہائے کار کے اختلافات بجائے ضرر رساں ہونے کے بسا اوقات مفید ثابت ہوتے ہیں اور حصول مقصد کی سچی دھن میں انہیں جس قدر نظر انداز کیا جائے اسی قدر بہتر ہے۔''

''آل انڈیا کشمیر کمیٹی نے اپنے مخصوص طریق کار کے مطابق نہ صرف اہل خطہ کے حالات و جذبات کی ایسی ترجمانی کی ہے کہ خود اہل خطہ حالاتِ موجودہ میں ویسی نہ کر سکے۔ بلکہ کمیٹی نے کئی گتھیوں کو سلجھانے، مصیبت زدوں کو مالی امداد بہم پہنچانے اور فسادات کے مقدمات کو اپنے ہاتھ میں لیکر ان کی پیروی کرنے میں نہایت قابل قدر خدمات انجام دی ہیں اور اب تک دے رہی ہے۔ ابتدائے کار سے کشمیر کمیٹی نے حکومت ہند، برطانیہ اور برطانوی قوم پر اس حقیقت کو واضح کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی کہ کشمیر کا مسئلہ تمام مسلمانان ہند کی سیاسی حیات و موت کا مسئلہ ہے۔ اہل کشمیر سے ناروا سلوک ان کی جائز اور دیرینہ شکایات سے بے اعتنائی اور ان کے سیاسی حقوق کا تسلیم نہ کرنا، مسلمانان ہند سے ناروا سلوک کرنے کے مترادف ہے، مسلمانانِ ہند کی شکایات سے بے اعتنائی ہے اور مسلمانان ہند کے حقوق کو تسلیم نہ کرنے سے انکار ہے۔ بات بھی یہی ہے کہ اہل خطہ ملت اسلامیہ ہند کے جزو لاینفک اور ان کی تقدیر کو اپنی تقدیر نہ سمجھنا تمام ملت کی تباہی و بربادی کے حوالے کر دینا ہے۔ اگر مسلمانوں کو ہندوستان میں فی الحقیقت ایک مضبوط مستحکم قوم بننا ہے تو ان لفظوں کو ہر وقت

> علامہ محمد اقبالؒ کے کشمیری دوستوں میں خواجہ عبدالصمد ککرو رئیس اعظم بارہ مولا، خواجہ سعد الدین شال، نور شاہ نقشبندی، منشی سراج الدین، میر خورشید احمد، سردار گوہر رحمٰن لودھی، شیخ محمد عبداللہ اور میر واعظ ہمدانی قابل ذکر ہیں

ذہن میں رکھنا ہوگا۔ اول یہ کہ شمال مغربی سرحدی صوبہ کو مستثنیٰ کرتے ہوئے حدود ہندوستان کے اندر جغرافیائی اعتبار سے کشمیر ہی وہ حصہ ہے جو مذہبی اور ثقافتی حیثیت سے خالصتاً اسلامی ہے اور ایسا اسلامی کہ اسلام نے وہاں

خدانخواستہ جبرواکرہ سے گھر پیدا نہیں کیا بلکہ تناور پودا حضرت شاہ ہمدانؒ جیسے نیک و کامل بزرگان دین کا نتیجہ ہے۔ ''جنہوں نے گھربار اور وطن محض اس لئے ترک کئے کہ رسول اللہؐ کے لائے ہوئے پیغام سے ان دیار و ممالک کے بسنے والوں کو بہرہ ور کریں اور الحمداللہ کہ کو وہ بدرجۂ اتم کامیاب ہوئے دوسری بات جسے مسلمانان ہند کبھی نظر انداز نہیں کر سکتے یہ ہے کہ ان کی تمام قوم میں سب سے بڑھ کر اگر صناعی و ہنرمندی اور تجارت کو بخوبی چلانے کے جوہر نمایاں طور پر کسی طبقے میں موجود ہیں تو وہ یہی اہل خطہ کا گروہ ہے۔ افسوس ہے کہ اہل کشمیر کی زبوں حالی انہیں اپنی قوم کا مفید عنصر بننے کے راستے میں مانع رہی ہے۔ بلکہ اقوام عالم کی اس نوع کی ترقی ان کی خدمات سے محروم ہے ورنہ اگر ان کی زندگی بھی زندہ قوموں کی زندگی ہو تو صناعی اور ہنر مندی کے طبعی جوہر ہندوستان کے اقتصادی حالات کو بدل دینے میں ممد ثابت ہوں۔ بہرحال اہل خطہ قومیت اسلامیہ ہند کے جسم کا بہترین حصہ ہیں اور اگر وہ حصہ مصیبت میں مبتلا ہے تو ہو نہیں سکتا کہ باقی افراد ملت فراغت کی نیند سوئیں۔''

''آل انڈیا کشمیر کمیٹی کی جن مساعی کا ذکر ہوا ان میں ہر ایک اہم ہے اور ایک تکمیل ابھی بیسیوں تدابیر کی محتاج ہے لیکن تمام مسلمان بھائیوں پر یہ واضح رہنا چاہیے کہ فسادات کے ماخوذین کی کہانی بے حد دردناک ہے۔ ان کے مقدمات ابھی تک چلے جا رہے ہیں اور ان کی مصیبتوں کا سلسلہ ایک حد تک لامتناہی ہو رہا ہے۔ ہر چند ریاست کو اس امر پر آمادہ کیا جا رہا ہے کہ وہ مقدمات واپس لیکر ان مصیبت زدوں کو آلام سے نجات دلائے لیکن ظاہر ہے کہ یہ قصے کچھ طولانی سے ہیں۔ ریاست کے اندر پھر سے ہیجان پیدا ہو گیا ہے۔ معلوم نہیں یہ ہیجان اب کونسی روش اختیار کرتا ہے۔ یہ ایک نیا مرحلہ آ گیا ہے اور اس کیلئے نئی قربانیوں کی ضرورت ہوگی جو لوگ گذشتہ انقلاب میں ماخوذ ہیں اور ان پر مقدمات چل رہے ہیں ان کی طرف بھی توجہ میں ہرگز کمی نہیں آنی چاہیے۔ اب تک ان مقدمات کی پیروی خوش اسلوبی سے ہوئی ہے لیکن قوم کو اس حقیقت سے بے خبر نہیں رہنا چاہیے کہ کشمیر کمیٹی کے پاس جو روپیہ فراہم شدہ تھا وہ خرچ ہو چکا ہے اور جب تک قوم روپیہ سے اعانت پر کمربستہ نہ ہوگی نہ تو نئی پیدا شدہ صورت حال میں کوئی اہم کام سرانجام پا سکے گا اور نہ ان سینکڑوں ماخوذین کو قانونی امداد بہم پہنچانے کا کوئی ذریعہ ہوگا۔ اس لئے تمام گذشتہ حالات اور موجودہ حالات کے آئندہ امکانات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم ملت اسلامیہ ہند سے نہایت مخلصانہ پرزور اپیل کرتے ہیں کہ وہ حالات کی نزاکت کا صحیح اندازہ کرتے ہوئے اپنی پہلی قربانیوں میں مزید اضافہ کیلئے کمربستہ ہو جائیں اور جو اعانت وہ پہلے کر چکے ہیں اس کا عملی نتیجہ بھی اس وقت نیک ثابت ہوگا جب ان موجودہ مراحل پر پھر وہ

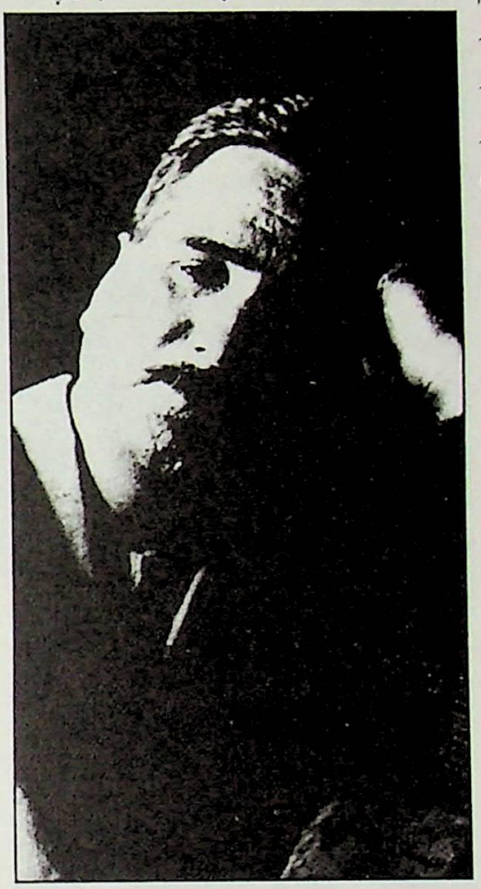

اسلامی ایثار کا ثبوت دیں۔ یہ افراد کی امداد نہیں بلکہ امت رسول ﷺ کی امداد ہے۔ ہم اپیل کا اختتام حضور پر نور ﷺ کی اس حدیث پر کرتے ہیں۔

''خدا نے دین اسلام کو اپنے لئے مخصوص کیا ہے اور دین کی درستی سخاوت اور حسن اخلاق سے ہے۔''

''مسلمانوں''! اپنے دین کو ان ہر دو اوصاف سے آراستہ کرو۔ آج وادی کشمیر کا مسلمان بھارتی مظالم سے تڑپ رہا ہے حالات وہی ہیں جو آج سے ساٹھ برس پہلے تھے۔ مگر فرق یہ ہے کہ ملت اسلامیہ میں آج کوئی کردار کا غازی میدان عمل میں نہیں آیا۔ گفتار کا غازی بھی عنقا ہے ان لمحات میں علامہ محمد اقبالؒ کی یاد ایک فطری بات ہے۔

1936ء میں علامہ اقبالؒ نے دوبارہ کشمیر جانے کا پروگرام بنایا مگر ڈوگرہ حکومت نے آپ کے کشمیر داخلہ پر پابندی لگا دی تھی۔ علامہ محمد اقبالؒ نے کشمیری کانفرنس میں عملی حصہ لیا۔ اس ضمن میں ان کے دست راست سید محسن شاہ مرحوم تھے جو برسوں آل انڈیا کشمیری کانفرنس کے صدر رہے..... آخر میں ایک بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ایک عرصہ سے اندرون ریاست اور بیرون ریاست ہندو پاک میں متحدہ قومیت کے پرستار یہ پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ ریاست میں آل جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کو آل جموں و کشمیر نیشنل کانفرنس میں تبدیل کرنے کا مشورہ شیخ محمد عبداللہ مرحوم کو علامہ محمد اقبالؒ نے دیا تھا' بالکل بے بنیاد اور غلط ہے۔ حالانکہ اس کے راوی خود شیخ عبداللہ ہیں جو کہ ان کا بعد کا خیال ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کرنے کا فیصلہ جون 1938ء میں کیا گیا جبکہ علامہ محمد اقبالؒ 21 اپریل 1938ء کو فوت ہو چکے تھے۔ جو برصغیر میں دو قومی نظریئے کے داعی و مبلغ تھے۔ جب تک علامہ محمد اقبالؒ زندہ رہے..... کانفرنس کے حامیوں کو ریاست میں مسلم کانفرنس کو نیشنل تحریک میں بدلنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ریاست میں سیاسی فکر و عمل کی تبدیلی کا مشورہ نہرو اور ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے دیا تھا۔ علامہ محمد اقبالؒ کی یہ خواہش تھی کہ وہ پھر کشمیر جائیں مگر حکومتِ جموں و کشمیر نے ان پر پابندی عائد کر دی۔ اس ضمن میں شیخ محمد عبداللہ اپنے خودنوشت سوانح ''آتشِ چنار'' میں لکھتے ہیں۔

''میں نے انہیں کشمیر آنے کی دعوت دی۔ ان کے کشمیر میں داخلے پر 1931ء پابندی تھی۔ اس پابندی کو واپس لینے کی درخواست کی گئی لیکن مہاراجہ کی حکومت نے اکتوبر تک انہیں کشمیر آنے کا اجازت نامہ نہیں دیا اور جب اجازت نامہ آیا تو سردی کا زمانہ آ گیا تھا اور اقبالؒ نے دوسرے سال کے لئے اپنا دورۂ کشمیر ملتوی کر دیا۔ انہیں کیا معلوم تھا کہ دوسرے سال وہ جنت ارضی کے بدلے جنت فردوس کی سیاحت کے لئے بلا لئے جائیں گے۔ جب میں ان سے رخصت ہوا تو اُنہوں نے مجھ سے کہا کہ کشمیریوں کی نجات اسی میں ہے کہ وہ ایک متحدہ تنظیم میں شیرازہ بند ہو جائیں۔''

بہرحال علامہ اقبالؒ نے کشمیر کی آزادی کا درسِ عمل باہمی اتفاق و اشتراک ہی بتایا اور یہی عمل اختیار کر کے کشمیر سے بھارت کو نکالا جا سکتا ہے۔

علامہ محمد اقبالؒ کے شاعرانہ اجتہادات

ڈاکٹر محمد فیض احمد

علامہ محمد اقبالؒ کے فلسفیانہ خیالات و افکار میں اتنی یکجہتی، شوکت اور گہرائی و گیرائی پائی جاتی ہے کہ بسا اوقات ان کے شاعرانہ کمالات پر آپ کے فلسفیانہ افکار اثر انداز ہونے لگتے ہیں، دراصل وہ تمام ان کی شاعری کے حوالے سے ہی ہم تک پہنچتے ہیں۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، فارسی اور اردو کلام سے ان کے افکار واضح ہوتے ہیں، ہندوستانی بچوں کے قومی گیت میں کہتے ہیں۔

چشتی نے جس زمیں پر پیغام حق سنایا
نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا
تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا
جس نے حجازیوں سے دشت عرب چھڑایا
میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

مندرجہ بالا اشعار دراصل ہندوستان کی تاریخی، ثقافتی اور تہذیبی حقائق کا سرچشمہ ہے۔ اس مختصر سے مضمون میں علامہ محمد اقبالؒ کی اردو شاعری کا تفصیلی، تنقیدی و تحقیقی جائزہ لینا ممکن نہیں ہے۔ بات ان کے چند بنیادی امور کے مطالعہ کی حد تک ہے۔ جو ہمارے ادبی ارتقاء کے لئے سنگ میل کا درجہ رکھتے ہیں۔

> علامہ محمد اقبالؒ کی شاعری خود زندہ نہیں بلکہ اردو ادب کو بھی ایک نئی زندگی دینے کا سبب بنی۔ آپ نے شاعری کو فقط زندگی سے ہی وابستہ نہیں کیا بلکہ زندگی کے تصور، فرد کی زندگی اور پیغام حیات سے جوڑا، جو فرد اور اقوام کی زندگی کی علامت ہے

انیسویں صدی کے اواخر میں شعرائے کرام نے شاعری کو شخصی اور صنفی اثرات سے نکال کر زندگی کے تمام تر محوروں سے منسوب کیا اور اسے حقائق زندگی سے قریب تر کرنے کی کوششیں کیں۔ فن کی پختگی کے بجائے زندگی کی بہتری اور صحت مندی کے اجتہادات کی ابتداء کرتے نظر آتے ہیں۔ پیشروؤں کے غیر واضح تصورات کو علامہ اقبالؒ نے اپنی شاعری میں واضح اور متعین کیا۔ انہوں نے اپنی شاعری کے توسط سے وطن اور قوم کے تصور کو واضح کیا۔ وطنیت، ہمہ وطنیت، عالم انسانیت اور تصور معاشرت کو بھی واضح کیا۔ چند اشعار ملاحظہ فرمائیے۔

آشکارا ہے یہ اپنی قوت تسخیر سے
گرچہ اک مٹی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کردے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں
تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحب کتاب نہیں
ہاں دکھادے اے تصور پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

یہ تمام تصورات دراصل علامہ اقبالؒ کو غیر شعوری طور پر ان کی تلاش تھی جس کے زیر اثر ان کا دل بے چین تھا۔ دراصل آپ کے رگ رگ میں اسلامی خون موجزن تھا۔ ان

کا حساس دل مسلمانوں کے تنزل کا نقشہ دیکھ کر بے چین ہو جاتا اور وہ کہہ اٹھتے:

امارت کیا شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل

نہ زور حیدری تجھ میں نہ استغنائے سلمانی

تعلیم میں امت کے اسباب زوال میں ایک اہم سبب نوجوان طبقہ کی غیر سنجیدہ اور غیر ذمہ دارانہ روش ۔ زندگی کو مرکز مان کر نوجوان نسل کو سوچنے اور عمل کرنے کی تلقین علامہ اقبالؒ کچھ اس طرح کرتے ہیں۔

ترے صوفے ہیں افرنگی ترے قالین ایرانی

لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

علامہ محمد اقبالؒ نے اپنی قومی و ملی شاعری کے ذریعہ بنی نوع انسان کو ایک روحانی انقلاب کا پیغام دیا جو مسلسل، مربوط اور مکمل نظامِ فکر کا حصہ تھا۔ ان کے افکار کا یہ تسلسل، ربط و ضبط ان کی شاعری کو خاص سمت عطا کرتی ہے۔ یہ علامہ اقبالؒ کا اردو شاعری پر احسان ہے۔ آپ کے غیر فانی کردار کی دلیل یہ ہے کہ انہوں نے ذہنی اور تخلیقی دونوں سطح پر یہ ثابت کر دیا کہ شاعری اور زندگی سکہ کے دو رخ ہیں۔ جو ادب زندگی کی کروٹ کا ساتھ نہیں دیتا وہ فنا ہوتا ہے، ان کی شاعری جو آج زندہ ہے وہ کل بھی رہے گی، جس کا احساس انہیں خود بھی تھا۔

علامہ محمد اقبالؒ کی شاعری خود زندہ نہیں بلکہ اردو ادب کو بھی ایک نئی زندگی دینے کا سبب بنی۔ آپ نے شاعری کو فقط زندگی سے ہی وابستہ نہیں کیا بلکہ زندگی کے تصور، فرد کی زندگی اور پیغام حیات سے جوڑا' جو فرد اور اقوام کی زندگی کی علامت ہے۔ انسان کی عظمت اس کے دنیاوی مرتبہ' حیثیت، قومی وقار، وطنی نسبت اور رنگ و نسل کے سبب ہی نہیں اس کی فطرت کی بلندی کے سبب بھی ہے۔ انسان میں عقل اور دل کی کشمکش جاری رہتی ہے ایک طرف ذاتی نفع نقصان تو دوسری طرف کسی بلند مقصد کے حصول کا خیال و جذبہ جو ذوق یقین سے مضبوط ہوتا ہے۔ اور وہ کر دکھاتا ہے جو دنیاوی وسائل و اسباب سے ممکن نہیں یہی بلند مقصد اور نصب العین انسانی شخصیت کی تکمیل کرتا ہے جو خودی ہے۔

علامہ اقبالؒ کہتے ہیں:

میں ظلمت شب میں لے کے نکلوں گا اپنے درماندہ کارواں کو
شرر فساں ہوگی آہ میری نفس مرا شعلہ بار ہوگا

علامہ محمد اقبالؒ کے فلسفیانہ خیالات و افکار میں اتنی یکجہتی' شوکت اور گہرائی و گیرائی پائی جاتی ہے کہ بسا اوقات ان کے شاعرانہ کمالات پر آپ کے فلسفیانہ افکار اثر انداز ہونے لگتے ہیں

خدا کے عاشق تو ہیں ہزاروں، بنوں میں پھرتے ہیں مارے مارے
میں اس کا بندہ بنوں گا جس کو خدا کے بندوں سے پیار ہوگا

دراصل علامہ محمد اقبالؒ نے انسانی زندگی کے اس بلند تصور سے اردو ادب کے شعری اور فنی محرکات کا مقام اونچا

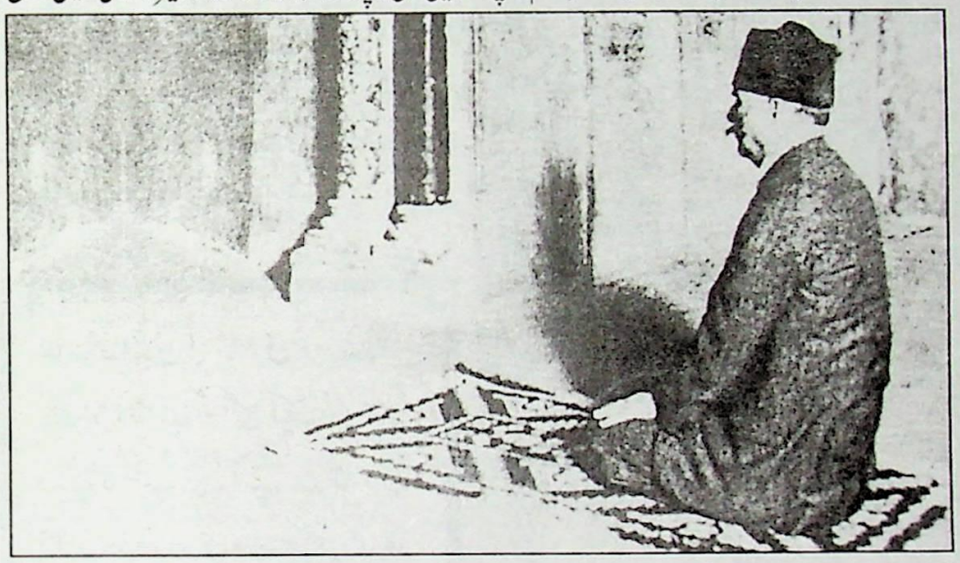

کیا۔ جو کام فارسی شاعری میں تصوف نے کیا تھا، وہی کام اقبال اردو زبان میں کر گئے۔ جو ہماری معاشرتی، سیاسی، اخلاقی اقدار کی سربلندی کی بابت اہمیت کے حامل ہیں۔ جس کے پیش نظر ادبی نظریات اور ان کا نصب العین میں بدلا۔ آپ بھی چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

کافر ہے تو شمشیر پہ کرتا ہے بھروسہ
مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی
دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں، طاقت پرواز مگر رکھتی ہے
نالہ ہے بلبل شوریدہ، ترا خام ابھی
اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی
گیسوئے تابدار کو اور بھی تاب دار کر
ہوش و خرد شکار کر قلب و نظر شکار کر
وہ آتش آج بھی تیرا نشیمن پھونک سکتی ہے
طلب صادق نہ ہو تیری تو پھر کیا شکوہ ساقی

یہاں مومن، نالہ، کلیمی، اثر، نشیمن، گیسو، اور ید بیضا نئی نئی معنویت لئے اجاگر ہوئے ہیں۔ جو عہد حاضر کے کردار بھی لگتے ہیں جن کی شاعرانہ تصور اور جذباتی کیفیات بالکل انوکھی اور جدا ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے ابتداء میں گل رنگین، شمع و پروانہ، ابر کہسار، ماہ نو وغیرہ نظمیں لکھیں۔ ان میں بھی انہوں نے تمام اشیاء کو ایک نیا رنگ و روپ بخشا اور ان کا لکھا ''والدہ کا مرثیہ'' ایک بچہ کا ماتم ہی نہیں بلکہ بزرگ مفکر کی خاموش گریہ وزاری ہے۔ اس کے بعد کی نظموں ''مسجد قرطبہ'' ''ساقی نامہ'' میں نئے نئے شعری اشارے جلوہ گر ہیں۔ علامہ اقبالؒ کے یہی فلسفیانہ اور دقیق خیالات اور شعری تاثرات اردو ادب میں آپ کا افسانہ ہے۔

علامہ محمد اقبالؒ نے اپنی قومی و ملی شاعری کے ذریعہ بنی نوع انسان کو ایک روحانی انقلاب کا پیغام دیا جو مسلسل، مربوط اور مکمل نظامِ فکر کا حصہ تھا۔ ان کے افکار کا یہ تسلسل، ربط و ضبط ان کی شاعری کو خاص سمت عطا کرتی ہے

http://www.siasat.com/urdu/news/

★ ★ ★

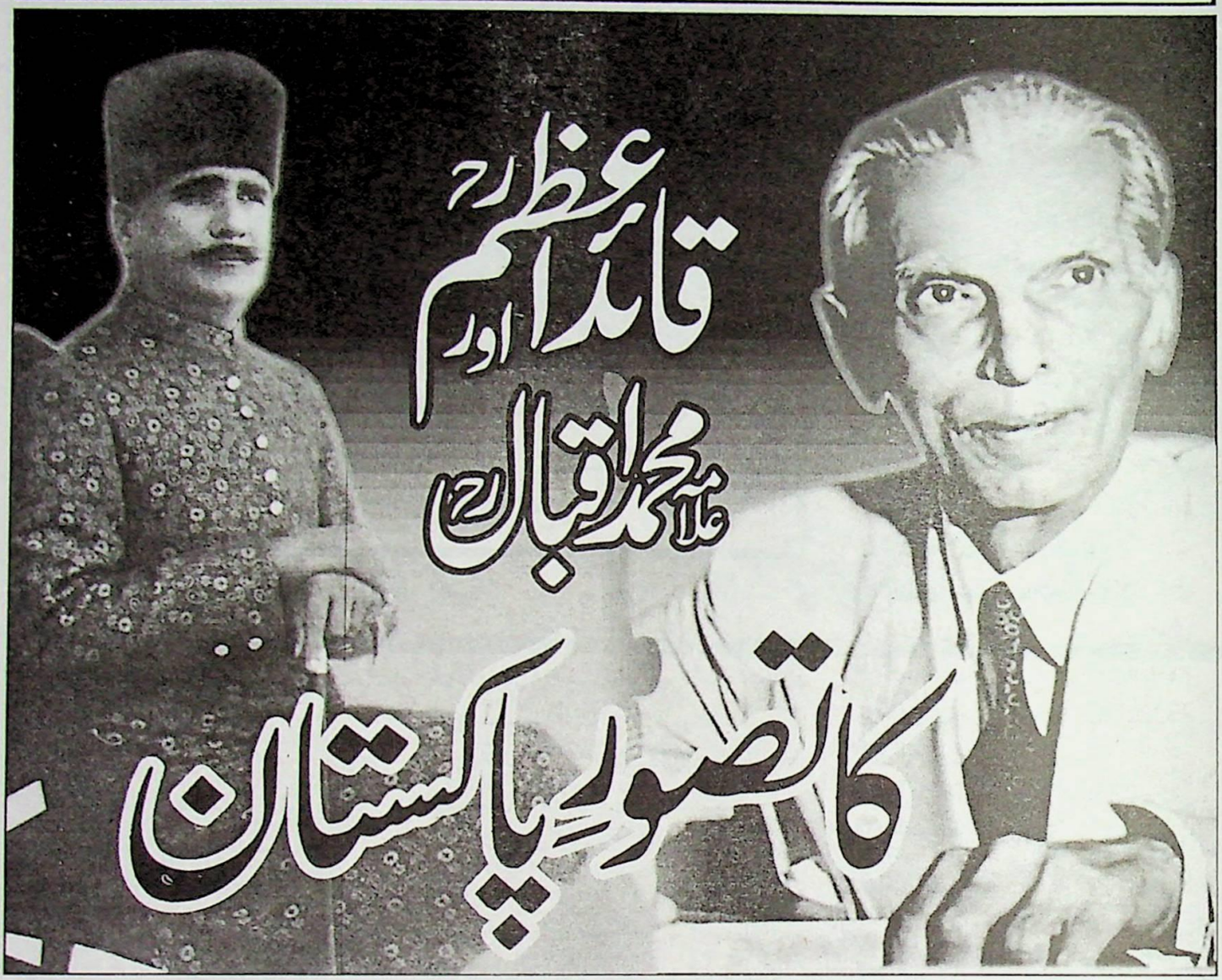

قائداعظمؒ اور علامہ محمد اقبالؒ کا تصورِ پاکستان

مختار احمد

الحمدللہ! اسلامی جمہوریہ پاکستان دنیائے اسلام کا وہ واحد ملک ہے کہ جو ایک نظریہ کی بنیاد پر وجود میں آیا اور نظریہ بھی ایسا کہ جس کہ ''حقانیت'' روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ یہ مسلمانانِ ہند کی سال ہا سال کی قربانیوں' اولیائے کرام اور مشائخ عظام کی خصوصی دعاؤں' حضورِ اقدسؐ کی نگاہِ خاص اور قائداعظم محمد علی جناحؒ کی ولولہ انگیز اور بابصیرت قیادت ہی کا ثمر تھا کہ گوروں کی خطرناک سازشوں اور مکار ہندوؤں کی ریشہ دوانیوں اور چالاکیوں کے باوجود مسلمان چند برس کی جدوجہد اور محنت کی بدولت دنیا کے نقشے پر ایک عظیم اسلامی مملکت قائم کرنے میں کامیابیوں سے ہمکنار ہوئے۔

یہ بات ہمیں نہایت افسوس اور دکھ کیساتھ کہنا پڑ رہی ہے کہ اگر موجودہ حالات وواقعات' رسم ورواج اور خطرات وخدشات کا پوری ایمانداری سے جائزہ لیں تو ہمیں یہ بات تسلیم کرنا پڑے گی کہ 63 سال کا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود..... جن مقاصد کے پیش نظر پاکستان بنایا گیا تھا اُن مقاصد کو حاصل کرنے میں ہم میں تاحال ناکام ہیں اور اُس وقت تک ناکام ہی رہیں گے کہ جب تک پاکستان کے خارجی وداخلی فیصلے کرتے وقت اقبالؒ وقائدؒ کے فرمودات کو پیش نظر نہیں رکھیں گے۔

اس حوالہ سے نہ صرف صاحب اقتدار لوگوں کو ''نظریۂ پاکستان'' سے مکمل آگاہی ہو بلکہ عوام کے اندر بھی اِسے عام کرنے اور جذبۂ حب الوطنی بیدار کرنا بے حد ضروری ہے۔

علامہ محمد اقبالؒ فرماتے ہیں کہ

''اگر ہم چاہتے ہیں کہ اسلام ایک تمدنی قوت کے طور پر زندہ رہے تو اس کیلئے ضروری ہے کہ وہ ایک مخصوص علاقے میں اپنی مرکزیت قائم کرے۔''

قائداعظم محمد علی جناحؒ نے 11 اکتوبر 1947ء کو کراچی میں مسلح افواج کے افسروں سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ

''قیامِ پاکستان' جس کیلئے ہم گذشتہ دس برس سے کوشاں تھے' اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے آج ایک مسلمہ حقیقت ہے' لیکن اپنی مملکت کا قیام دراصل ایک مقصد کے حصول کا ذریعہ ہے بذاتِ خود کوئی مقصد نہیں۔ تصور یہ تھا کہ ہماری ایک مملکت ہونی چاہیے جس میں ہم رہ سکیں اور آزاد افراد کی حیثیت سے سانس لے سکیں جسے ہم اپنی صوابدید اور ثقافت کے مطابق ترقی دے سکیں اور جہاں اسلام کے معاشرتی انصاف کے اصول جاری وساری ہوں۔ وہ کارِ سخت جو ہمارا منتظر تھا اور راستہ کی تلاش کی دشواریاں کہ جن سے ہمیں گزرنا تھا' مجھے ان کے بارے میں کوئی

خوش فہمی نہیں تھی تاہم میں اس بات سے تقویت پا رہا تھا کہ مجھے تمام مسلمانوں کی بے پناہ حمایت حاصل ہوگی' نیز اقلیتوں کا تعاون بھی جسے ہم منصفانہ بلکہ فیاضانہ سلوک سے جیت سکیں گے۔''

> قائداعظم محمد علی جناحؒ کی نظر میں ریاست کی ترقی میں حائل سب سے بڑی جور کاوٹ ہے وہ اقربا پروری کی لعنت ہے۔ ایک موقع پر قائداعظم محمد علی جناحؒ نے ارشاد فرمایا کہ ''میں یہ واضح کردوں کہ میں نہ احباب پروری اور اقربا نوازی کو برداشت کروں گا اور نہ ہی کسی اثر ورسوخ کو جو مجھ پر بالواسطہ یا بلاواسطہ ڈالنے کی کوشش کی جائے گی قبول کروں گا۔ جہاں کہیں مجھے معلوم ہوا کہ یہ طریقۂ کار رائج ہے خواہ یہ اعلیٰ سطح پر ہو یا ادنی پر' یقینی طور پر اس کو گوارا نہیں کروں گا۔''

قائداعظم محمد علی جناحؒ کی نظر میں ریاست کی ترقی میں حائل سب سے بڑی جور کاوٹ ہے وہ اقربا پروری کی لعنت ہے۔ ایک موقع پر قائداعظم محمد علی جناحؒ نے ارشاد فرمایا کہ

''میں یہ واضح کردوں کہ میں نہ احباب پروری اور اقربا نوازی کو برداشت کروں گا اور نہ ہی کسی اثر و رسوخ کو جو مجھ بالواسطہ یا بلاواسطہ ڈالنے کی کوشش کی جائے گی قبول کروں گا۔ جہاں کہیں مجھے معلوم ہوا کہ یہ طریقۂ کار رائج ہے خواہ یہ اعلیٰ سطح پر ہو یا ادنی پر' یقینی طور پر اس کو گوارا نہیں کروں گا۔''

لیکن بدقسمتی سے اب ہو یہ رہا ہے کہ جعلی ڈگری کے باعث اسمبلی سے فارغ ہونے والے لوگوں کی حوصلہ شکنی کی بجائے انہیں دوبارہ جتوا کر اسمبلی میں لے آیا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ اس منصب اعلیٰ کے شایانِ شان نہیں تھا لیکن جب اقتدار اور مفاد پیش نظر ہو تو پھر بھلا ''شایانِ شان'' والا معاملہ کب پیش نظر رکھا جاتا ہے۔

حقیقت میں پارلیمنٹ ہی وہ ادارہ کہ جس کے تحت ارکانِ اسمبلی کے ہاتھوں اہم ملکی فیصلے لکھے جاتے ہیں اور عوام کے ووٹوں سے حاصل کی جانے والی یہی وہ طاقت ہوتی ہے جو ملکی مفاد کی خاطر اپنا اظہار کرسکتی ہے۔

قیامِ پاکستان کے بعد پہلی قانون ساز اسمبلی کے اجلاس میں جب قائداعظم محمد علی جناحؒ کو اسمبلی کا صدر منتخب کیا گیا تو اُس کے بعد جب آپ نے اسمبلی سے خطاب فرمایا کہ ''اس مجلس کے پہلے فریضہ کے بارے میں' میں اس وقت کسی سوچی سمجھی بات کا تو اعلان نہیں کرسکتا لیکن ایک دو چیزیں جو میرے ذہن میں آئیں گی آپ کے سامنے پیش کردوں گا۔ پہلی اور سب سے زیادہ اہم بات جو میں زور دے کر کہوں گا وہ یہ ہے' یاد رکھئے کہ آپ خود مختار قانون ساز ادارہ ہیں اور آپ کو جملہ اختیارات حاصل ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ یعنی آپ فیصلے کس طرح کرتے ہیں؟ پہلی بات جو میں کہنا چاہوں گا وہ یہ ہے کہ اور آپ بلاشبہ مجھ سے اتفاق کریں گے کہ ایک حکومت کا پہلا فریضہ یہ ہوتا ہے کہ وہ امن وامان برقرار رکھے تاکہ مملکت اپنے عوام کی جان و مال اور ان کے مذہبی عقائد کو مکمل طور پر تحفظ دے سکے۔

دوسری بات کہ رشوت ستانی اور بدعنوانی عام ہے۔ دراصل یہ ایک زہر ہے جس کا ہمیں نہایت سختی سے قلع قمع کرنا چاہیے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ آپ اس سلسلہ میں مناسب اقدامات کریں گے جتنی جلدی اس اسمبلی کیلئے کرنا ممکن ہو۔

علامہ محمد اقبالؒ نے اس حوالہ سے بڑے واضح طور پر ارشاد فرمایا کہ ''اگر آپ بحیثیت مسلمان زندگی گزارنا چاہتے ہیں تو یہ قرآن پاک کے بغیر ممکن نہیں۔''

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بقرآں زیستن

برصغیر میں ایک آزاد مملکت کے قیام کا مطالبہ صرف اس لیے کیا گیا تھا کہ مسلمان اسلامی قوانین اور اس کے روشن اصولوں کے مطابق اپنی زندگی کے شب و روز گزار سکیں۔ یعنی جہاں اسلام کا بول بالا ہو' واداری ہو' اسلامی قانون کی بالادستی ہو' جہاں مساوات اور احساسات کے عناصر پیش نظر ہوں اور جہاں ایک ایسا خوبصورت معاشرہ تشکیل ہوسکے جو مسلمانوں کی معاشی اور معاشرتی فلاحی و بہبود کی ضمانت دے سکے۔ بانی پاکستان قائداعظمؒ نے ارشاد فرمایا کہ

''اسلامی حکومت کے تصور کا یہ امتیاز ہمیشہ پیش نظر رہنا چاہیے کہ اس میں اطاعت اور وفاکیشی کا مرجع اللہ تعالیٰ کا ذات ہے جس کی تعمیل کا واحد ذریعہ قرآن مجید کے احکام اور اصول ہیں۔ اسلام میں اصولاً نہ کسی بادشاہ کی اطاعت ہے نہ کسی پارلیمان کی' نہ کسی اور شخص کی یا ادارہ کی۔ قرآن حکیم کے احکام ہی سیاست یا معاشرت میں ہماری آزادی اور پابندی کی حدود متعین کرتے ہیں۔ اسلامی حکومت دوسرے الفاظ میں قرآنی اصول اور احکام کی حکمرانی ہے اور حکمرانی کیلئے آپ کو ایک علیحدہ مملکت کی ضرورت ہے۔''

ہمارے آباؤ اجداد بے شمار قربانیوں اور جدوجہد کی بدولت ایک عظیم مملکت ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' حاصل کرنے میں تو کامیاب ہوئے..... مگر ہم شرمندہ ہیں کہ ہم عملاً ایسا کوئی کردار ادا نہ کرسکے جو اس مملکت کے ترقی یافتہ ہونے کا سبب بنتا۔ ہمیں چاہیے کہ عوام' بیوروکریٹس' سیاستدان اور حکمران سب مل کر علاقائی' لسانی' مذہبی اور صوبائی تعصبات کو ختم کرتے ہوئے اپنے اپنے طور پہ پوری ذمہ داری' دیانت داری اور خلوصِ نیت سے پاکستان کو عظیم سے عظیم تر بنانے میں اہم کردار ادا کریں کیوں کہ یہ پاکستان ''ہم سب کا پاکستان'' ہے۔

> مسلمانانِ ہند کی سال ہا سال کی قربانیوں' اولیائے کرام اور مشائخ عظام کی خصوصی دعاؤں' حضورِ اقدسؐ کی نگاہِ خاص اور قائداعظم محمد علی جناحؒ کی ولولہ انگیز اور بابصیرت قیادت ہی کا یہ ثمر تھا کہ گوروں کی خطرناک سازشوں اور مکار ہندوؤں کی ریشہ دوانیوں اور چالاکیوں کے باوجود مسلمان چند برس کی جدوجہد اور محنت کی بدولت دنیا کے نقشے پر ایک عظیم اسلامی مملکت قائم کرنے میں کامیابیوں سے ہمکنار ہوئے

روزنامہ ''نئی بات'' 25-دسمبر 2011ء

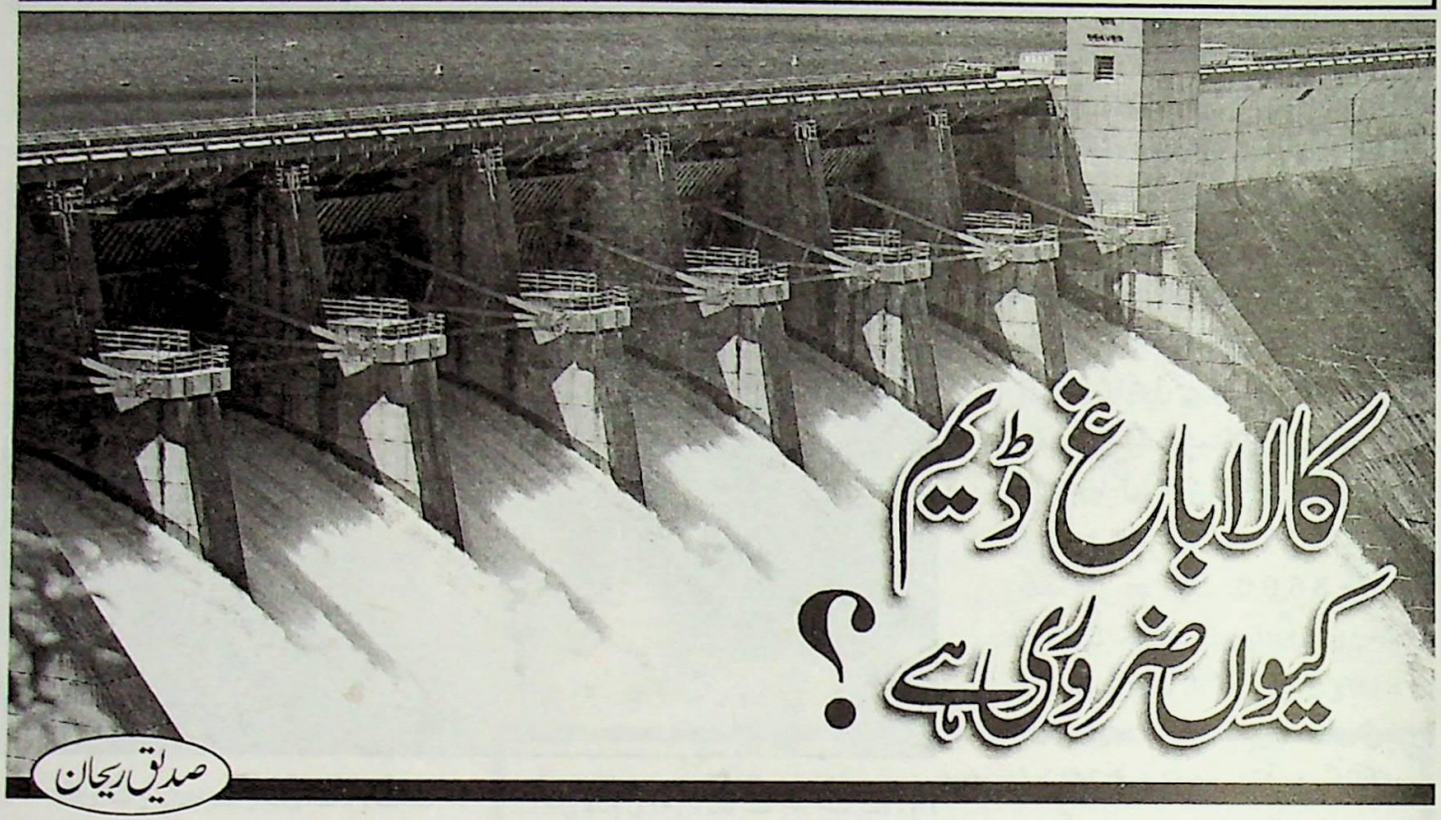

کالا باغ ڈیم کیوں ضروری ہے؟

صدیق ریحان

1- معاشی ترقی کے لیے جو بھی راستے اختیار کرنے پڑتے ہیں ان سب کے لیے قومی ضروریات اور وسائل کا پورا ادراک اور سمجھ ضروری ہوتی ہے۔ پاکستان کو ایک عظیم دریائی نظام (دریائے سندھ اور اسکے معاونین) وراثت میں ملے جو اوسطاً سالانہ 13 کروڑ 78 لاکھ ایکٹر فٹ پانی لاتا ہے اور ساتھ ایک بہت بڑا آبپاشی نظام بھی ملا جو دنیا میں عظیم ترین مربوط نظام مانا جاتا ہے۔ خدا نے موسم ایسا دیا ہے کہ پورے سال میں زراعت کی جاسکتی ہے۔ لیکن ہماری زراعت Productive نہیں بلکہ Subsistance level کی ہے۔ کیونکہ اوسطاً پورے سال کا 83 فیصد پانی (11 کروڑ 47 لاکھ ایکٹر فٹ) صرف موسم گرما میں آتا ہے اور باقی چھ مہینوں کے موسم سرما میں اوسطاً صرف 17 فیصد (2 کروڑ 31 لاکھ ایکٹر فٹ) پانی ہوتا ہے۔

2- چونکہ ہمارے دریاؤں کے پانی کا بہت بڑا حصہ (85 فیصد) زراعت کے لیے استعمال ہوتا ہے اس لیے اسکے ساتھ مقابلہ کرتے ہوئے جو نتیجہ نکلتا ہے وہ یہ موسم گرما (فصل خریف) میں دریاؤں میں 11 کروڑ 41 لاکھ ایکٹر فٹ کے مقابلہ میں زراعت کی ضرورت 7 کروڑ 91 لاکھ ایکٹر فٹ ہوتی ہے یعنی 3 کروڑ 50 لاکھ ایکٹر فٹ پانی ضرورت سے زیادہ ہوتا ہے۔ اور اس کا زیادہ حصہ سیلابوں کی شکل میں سمندر میں جا گرتا ہے۔ لیکن موسم سرما (فصل ربیع) میں حالت مختلف ہو جاتی ہے۔ اس موسم میں دریاؤں میں 2 کروڑ 31 لاکھ ایکٹر فٹ پانی میسر ہوتا ہے لیکن زراعت کی ضرورت 3 کروڑ 82 لاکھ ایکٹر فٹ ہوتی ہے یعنی 1 کروڑ 51 لاکھ ایکٹر فٹ پانی کی کمی ہوتی ہے۔ اس ناہموار پانی کی Availability اور ضروریات میں فرق سے دو نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ ضرورت سے زیادہ پانی سے سیلاب بنتے ہیں۔ اگر 2010 کے سیلاب کی طرح ہو تو تقریباً 20 ارب ڈالر (1,200 ارب روپے) تک پہنچ جاتے ہیں۔ اور اگر پانی ضرورت سے کم ہو تو فصل کی ضروریات پوری نہ ہونے کی وجہ سے پیداوار بہت کم ہو جاتی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ ہماری فصلوں کی فی ایکٹر پیداوار دنیا میں بہت کم شمار کی جاتی ہے۔ یہ دونوں نقصانات (سیلاب اور کم پیداوار) پاکستان اور اس کے عوام کے لیے بے حد خطرناک اور ناقابل برداشت ہیں۔ ان کا تدارک پاکستان کے Development ایجنڈا میں تقریباً سب سے پہلے نمبر پر ہے۔ پہلے نمبر کی جگہ میں اس لئے بھی کہہ رہا ہوں کہ اس مسئلہ کے علاج میں کچھ اور فوائد بھی شامل ہیں جس کا ذکر بعد میں کرونگا۔ اب اس کی کمی کو کس طریقے سے پورا کیا جائے۔ یا تو بارشوں کو اس طریقے سے کنٹرول کیا جائے کہ موسم گرما میں کم ہو جائیں تا کہ فصل خریف میں دریاؤں میں اتنا ہی پانی آئے جو ضرورت ہو اور سیلاب کا قلع قمع ہو جائے اور اس موسم میں بارشیں زیادہ ہو جائیں تو فصل ربیع میں بھی پانی کی کمی نہ

> دنیا بھر میں ہائیڈل ذرائع سے انتہائی سستی اور وافر بجلی پیدا کرنے کا رجحان ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتا جا رہا ہے۔ لیکن ہم بجلی کا ایک بہت بڑا حصہ تیل سے پیدا کر رہے ہیں جس کی وجہ سے ایک تو بجلی مہنگی بہت ہے دوسرا وافر مقدار میں میسر نہیں۔ ان تمام مسائل کا انتہائی بہترین حل کالا باغ ڈیم منصوبہ ہے لیکن بدقسمتی سے یہ سیاسی مفادات کی بھینٹ چڑھ رہا ہے

رہے اور فصل کی فی ایکٹر پیداوار بہتر ہو۔ لیکن بارشوں پر کنٹرول تو ابھی تک انسان کے اختیار میں نہیں ہے۔ کم از کم اب تک تو نہیں ہے۔ اس مسئلے کا

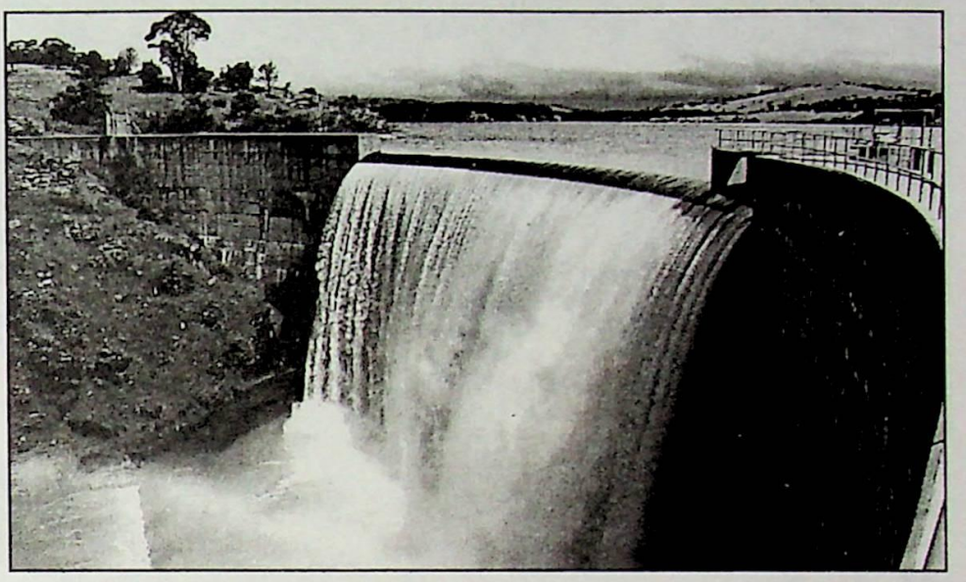

جو حل انسان نے ہزاروں سال کے تجربات کے بعد سیکھا ہے وہ یہ ہے کہ موسم گرما کے فاضل پانی کو ذخیرہ کر کے اس کو موسم سرما میں فصل ربیع میں استعمال کر کے موسمی خسارے کو ختم کیا جائے۔ دریا میں پانی کے بڑے ذخیرہ کرنے کے لیے دریا میں پانی کے بہاؤ کو بند کرنا پڑتا ہے۔ جو صرف ڈیم (Dam) بنانے سے ہوسکتا ہے۔ یہ وہی راستہ ہے جو بیسویں صدی میں 42 ہزار بڑے ڈیم بنا کر دنیا کے مختلف ممالک نے استعمال کیا اور ترقی کر گئے۔

2- پاکستان کا شمار ان ممالک میں ہوتا ہے جو توانائی کی ہولناک قلت کا شکار ہیں۔ انتہائی طلب کے دنوں میں بجلی کی طلب اور رسد کے درمیان فرق بعض اوقات چھ ہزار میگا واٹ سے بھی تجاوز کر جاتا ہے جس کا خمیازہ صنعتکاروں، تاجروں اور عوام کو سولہ سولہ گھنٹے لوڈشیڈنگ کی صورت میں بھگتنا پڑتا ہے۔ دنیا بھر میں ہائیڈل ذرائع سے انتہائی سستی اور وافر بجلی پیدا کرنے کا رجحان ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتا جا رہا ہے۔ لیکن ہم بجلی کا ایک بہت بڑا حصہ تیل سے پیدا کر رہے ہیں جس کی وجہ سے ایک تو بجلی مہنگی بہت ہے دوسرا وافر مقدار میں میسر نہیں اور تیسرا آئل امپورٹ بل ہر سال مزید بڑھ جاتا ہے۔ ان تمام مسائل کا انتہائی بہترین حل کالا باغ ڈیم منصوبہ ہے لیکن بدقسمتی سے یہ سیاسی مفادات کی بھینٹ چڑھ رہا ہے۔ کالا باغ ڈیم کی مخالفت میں سب سے زیادہ سرگرم عمل سندھ اور خیبر پختونخواہ ہیں جبکہ بلوچستان بھی دیکھا دیکھی ان کی ہاں میں ہاں ملائے جا رہا ہے

لیکن کالا باغ ڈیم بنانے کے بعد سب سے زیادہ فائدہ ان ہی کے صوبوں کو ہوگا۔ کالا باغ ڈیم بننے کے بعد سندھ اور خیبر پختونخواہ کے بہت سے علاقے سیلاب کی تباہ کاریوں سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائینگے۔ کالا باغ ڈیم میں ذخیرہ ہونے والے 7 ملین ایکٹر فٹ پانی میں سے 2.6 ملین ایکٹر فٹ پانی سندھ کے حصے میں آئے گا جو وہاں پانی کی قلت کے شکار زرعی علاقوں میں آبپاشی کے لیے استعمال ہو سکے گا۔ کالا باغ ڈیم سے بلوچستان بھی بھرپور مستفید ہوگا کیونکہ ڈیرہ بگٹی، ڈیرہ مراد جمالی، جعفر آباد اور سبی کے علاقوں کو وافر پانی ملے گا۔ جہاں تک خیبر پختونخواہ کا تعلق ہے تو کالا باغ ڈیم کی مدد سے 8 لاکھ ایکٹر زمین کو زیر کاشت لایا جاسکے گا جو دریائے سندھ کی سطح سے 100 سے 150 فٹ بلند ہے۔ یہ زمین صرف اسی صورت میں زیر کاشت لائی جاسکتی ہے جب دریا کی سطح بلند ہو اور یہ کام صرف کالا باغ ڈیم کی صورت میں ہی ممکن ہے۔ اس کا متبادل ذریعہ دریا کے پانی کو پمپ کر کے اوپر پہنچانا ہے جس سے پانچ ہزار روپے فی ایکڑ سالانہ لاگت آئے گی جبکہ کالا باغ ڈیم کی تعمیر کے بعد نہر کے ذریعے پانی ملنے سے یہ لاگت صرف 400 ملین روپے فی ایکڑ سالانہ رہ جائیگی۔ کالا باغ ڈیم پاکستان کو توانائی کے بحران سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا بھی دلا سکتا ہے کیونکہ اس سے سالانہ 3600 میگا واٹ یعنی 31.5 ارب واٹ بجلی پیدا ہوگی جس کی ابتدائی طور پر لاگت صرف 2.50 روپے فی یونٹ ہوگی جبکہ 5 سال بعد جب یہ ڈیم اپنی لاگت خود ہی پوری کر لے گا تو بجلی صرف 1 روپے فی یونٹ کی لاگت پر پیدا ہوگی۔ اس وقت ملک میں بجلی کا ایک بڑا حصہ تھرمل ذرائع سے 19 روپے فی یونٹ کی لاگت پر پیدا کیا جا رہا ہے جو توانائی کے بحران اور صنعتی و تجارتی شعبے کے مسائل کی بہت بڑی وجہ ہے۔ کالا باغ ڈیم بننے سے صرف بجلی کی پیداواری لاگت کی مد میں ملک کو 4 ارب ڈالر سالانہ کی بچت ہوگی جو کیری لوگر بل کی تحت ملنے والی امداد سے 3 گنا زیادہ ہے۔ کالا باغ ڈیم کے مجموعی معاشی فوائد کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر ایک ملین ایکٹر فٹ پانی ذخیرہ کر کے زرعی آبپاشی اور بجلی پیدا کرنے کے لیے استعمال کیا جائے تو ملکی معیشت کو کم و بیش 2 ارب ڈالر کا فائدہ ہوتا ہے تو اندازہ کر لیں کہ جب ہم کالا

> کالا باغ ڈیم جیسا عظیم منصوبہ اگر بروقت پایہ تکمیل کو پہنچ جاتا تو آج ہماری معاشی اور سماجی زندگی کہیں مختلف اور بہتر ہوتی۔ فنی اور تیکنیکی اعتبار سے ماہرین نے جب بھی اس کا جائزہ لیا تو کسی علاقہ یا طبقہ کے لیے نقصان کا کوئی پہلو ان کو نظر نہیں آیا بلکہ اس میں پورے ملک کے لیے ہر طرح سے بھلائی ہی بھلائی ہے۔ صوبائی تعصب کی بنیاد پر اپنی اپنی دکانداری چمکانے والے مفاد پرستوں کے پاس اس منصوبہ کیخلاف کوئی ٹھوس بنیاد ہرگز نہیں، انہوں نے سادہ لوح عوام کو بے وقوف بنا رکھا ہے

باغ ڈیم میں 7 ملین ایکٹر فٹ پانی ذخیرہ کر کے بجلی پیدا اور زرعی آبپاشی کے لیے استعمال کرینگے تو تقریباً 14 ارب ڈالر سالانہ کا فائدہ ہوگا جس سے آئندہ سالوں میں کالا باغ ڈیم جیسے مزید کئی ڈیم بنائے جاسکتے ہیں۔ تعلیم سے محروم کئی ملین بچے مستقل بنیادوں پر اعلیٰ تعلیم حاصل کر سکتے ہیں، عوام کو صحت کی اعلیٰ سہولیات مہیا کی جاسکتی ہیں، کئی ملین افراد کو روزگار دیا جاسکتا ہے، پسماندہ علاقوں کی تقدیر بدلی جاسکتی ہے، سڑکوں کا جال بچھایا جاسکتا ہے اور غربت کے خاتمے کے لیے ٹھوس اقدامات اٹھائے جاسکتے ہیں۔ وزیر اعظم میاں محمد نواز شریف نے ماضی میں ملک وقوم کے مفاد میں بہترین فیصلے کیے ہیں لہٰذا ساری قوم ان سے توقع کرتی ہے کہ وہ انتہائی اہمیت کے حامل کالا باغ ڈیم کو سیاسی مفادات کی بھینٹ ہرگز نہ چڑھنے دیں گے اور اسکی جلد تعمیر کے لیے اقدامات اٹھائیں گے۔

3- وطن عزیز پاکستان کی بدقسمتی نہیں تو اور کیا ہے کہ اس کے ارباب سیاست نے صرف اور صرف اپنے سیاسی مفادات حاصل کرنے کے لیے مادر وطن سے بے وفائی کا رویہ اپنا رکھا ہے۔ ملکی اور ملی مفادات کو بالائے طاق رکھنا ہماری سیاسی زندگی میں اس طرح نمایاں نظر آتا ہے کہ ہم نے حق و باطل میں فرق کرنا ہی چھوڑ دیا ہے۔

کالا باغ ڈیم جیسا عظیم منصوبہ اگر بروقت پایہ تکمیل کو پہنچ جاتا تو آج ہماری معاشی اور سماجی زندگی کہیں مختلف اور بہتر ہوتی۔ فنی اور تیکنیکی اعتبار سے ماہرین نے جب بھی اس کا جائزہ لیا تو کسی علاقہ یا طبقہ کے لیے نقصان کا کوئی پہلو ان کی نظر میں نہیں آیا بلکہ اس میں پورے ملک کے لیے ہر طرح سے بھلائی ہی بھلائی ہے لیکن چند سیاسی طبقات اور ملک قوتوں نے اس کیخلاف بے بنیاد محاذ کھڑا کر کے ملک کو نہ صرف بے انتہا نقصان پہنچایا ہے بلکہ اس کی ترقی کی راہ میں ایک بہت بڑا بند باندھ رکھا ہے۔ صوبائی تعصب کی بنیاد پر اپنی اپنی دکانداری چمکانے والے مفاد پرستوں کے پاس اس عظیم منصوبہ کے خلاف کوئی ٹھوس بنیاد ہرگز نہیں ہے بلکہ سادہ لوح عوام کو بے وقوف بنا رکھا ہے۔

زراعت کے لیے پانی اور صنعت کے لیے بجلی جسم میں روح کی مانند ہے۔ ان دونوں وسائل کے بے پناہ Potential کو بے دردی سے ضائع کر کے ہم خدا کے عطا کردہ وسائل کے ساتھ ظلم کر کے خدا کی انتہائی ناشکری کر رہے ہیں۔ مفاد پرست عناصر کی ہٹ دھرمی سے ملک کے چاروں صوبوں کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ لیکن چونکہ اس منصوبے کی Location پنجاب ہے اس لئے اسکی بھرپور مخالفت کی جارہی ہے اور ملک کے مجموعی مفاد کو یکسر نظر انداز کیا جارہا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ تعصب کی عینک کو اتار کر حقیقت کی نگاہ سے سوچا جائے اور اس ملک پر جس نے ہمیں بہت کچھ دے رکھا ہے اس کی حالت پر رحم کیا جائے۔ ہم ان حضرات کا احترام کرتے ہیں جو تند و تیز باد مخالف کے باوجود حق کا علم بلند کر کے ملکی ترقی کے لیے اس ناگزیر منصوبے کی تکمیل کے لیے آواز اٹھا کر مادر وطن سے وفا کا حق ادا کر رہے ہیں۔ کاش کہ ارباب اختیار اس سے روشنی حاصل کریں مخالفین کے ذہنوں کے قفل کھل جائیں اور ان کی آنکھیں حقیقی بصارت و بصیرت حاصل کر سکیں۔

4- **نوشہرہ کے ڈوب جانے کا جھوٹ:**

29 اگست 1929ء کو دریائے سندھ اور دریائے کابل میں اکٹھے بہت بڑے سیلاب آئے تھے۔ نوشہرہ میں یہ سیلاب پل کے Deck کو چھو رہا تھا۔ نوشہرہ شہر کی چھاؤنی اور شہر کے بہت بڑے حصے زیر آب آگئے تھے۔ اس کے علاوہ خیر آباد سے پبی تک جی ٹی روڈ کے کچھ حصے زیر آب آگئے تھے اور دریائے کابل کے جنوبی کناروں کے ساتھ ساتھ بہت سے دیہات جیسے بانڈہ محب اور پشتون گڑھی بھی تقریباً مکمل طور پر زیر آب تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جبکہ کالا باغ ڈیم کا کوئی نشان بھی نہیں تھا اور یہ سب کچھ اس لیے ہوگیا تھا کہ نوشہرہ، پشاور کے علاقوں میں سیلاب کی وجہ کالا باغ ڈیم نہیں بلکہ اور وجوہات ہیں۔

5- میں بہت دفعہ کہہ چکا ہوں کہ اگر وہ موسمی حالات جو اگست 1929 میں تھے وہ پھر آجائیں تو اس قسم کا سیلاب پھر آئیگا جو 29 اگست 1929 کو آیا تھا۔ کالا باغ ڈیم ہو یا نہ ہو اس میں فرق نہیں پڑتا۔ اگر اس بات میں کوئی شک تھا تو جولائی 2010 کے سیلاب نے اس شک کی رہی سہی کسر بھی پوری کر دی۔ جب 1929ء کے سیلاب سے 10 فٹ اونچے بہت بڑے سیلاب نے نوشہرہ اور دریائے کابل کے ملحقہ دیہات میں تباہی مچادی۔ 1 اگست 1929ء کے بہت بڑے سیلاب کی نوشہرہ میں مقدار ایک لاکھ پچھتر ہزار (1,75,000) کیوسک تھی۔ اس کے مقابلے میں 2010ء میں نوشہرہ میں چار لاکھ پانچ ہزار (4,50,000) کیوسک کا سیلاب آیا۔ (ایک کیوسک 370 گیلن فی منٹ بہاؤ کے برابر ہوتا ہے) یعنی دگنے سے بھی زیادہ بڑا اور خطرناک سیلاب۔ اور یہ سب کچھ کالا باغ ڈیم کے نہ ہونے کے باوجود ہوا۔ حقائق تو عیاں ہوگئے جو میں کہتا تھا وہ سچ ثابت ہوا۔ لیکن بدقسمتی سے اس کی قیمت غریب عوام نے دی جو اس بڑے سیلاب کے زد میں آگئے۔ لیکن جھوٹ جو پکڑا جائے تو اس کو چھپانے کے لیے اس سے بڑا جھوٹ بولنا پڑتا ہے اور یہی ہوا۔ مخالفین کے ایک "بڑے" سے جب پوچھا گیا کہ وہ کیوں کالا باغ ڈیم کی مخالفت کر رہے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ کالا باغ ڈیم کے بنانے سے پشاور کی سڑکوں پر سیلاب کا پانی آجائیگا۔ جب یہ بات میرے سامنے کہی گئی تو میں نے کہا کہ نوشہرہ کے ڈوبنے کا کالا باغ ڈیم سے تعلق کا جھوٹ تو افشاء ہوگیا لیکن اب پشاور کے ڈوبنے کا تعلق جوڑنا

> **29 اگست 1929ء کو دریائے سندھ اور دریائے کابل میں اکٹھے بہت بڑے سیلاب آئے تھے۔ نوشہرہ شہر کی چھاؤنی اور شہر کے بہت بڑے حصے زیر آب آگئے تھے۔ دریائے کابل کے جنوبی کناروں کے ساتھ ساتھ بہت سے دیہات بھی تقریباً مکمل طور پر زیر آب تھے۔ یہ اس وقت کی بات ہے جب کالا باغ ڈیم کا کوئی نشان بھی نہیں تھا اور یہ سب کچھ اس لیے ہوگیا تھا کہ نوشہرہ، پشاور کے علاقوں میں سیلاب کی وجہ کالا باغ ڈیم نہیں بلکہ اور وجوہات ہیں**

بڑا جھوٹ ہے لیکن کالا باغ ڈیم کے مخالفین سے کچھ بعید نہیں یہ لوگ اس تعلق کو کوہ ہمالیہ تک لے جا سکتے ہیں۔ اللہ نہ کرے کہ یہ ہو مگر ان مخالفین کے لیے جھوٹ کی کوئی حد نہیں۔

6- سندھ کے بنجر ہونے کا خدشہ بھی ایسا ہی غلط ہے۔ حقائق یہ ہیں کہ منگلا اور تربیلا ڈیمز کے بننے سے پہلے سندھ کو سالانہ اوسطاً 3 کروڑ 60 لاکھ ایکٹر فٹ پانی ملتا تھا (ایک ایکڑ فٹ پانی تقریباً 2 لاکھ 70 ہزار گیلن پانی کے برابر ہوتا ہے) جو ان ڈیموں کے بننے کی وجہ سے بڑھ کر 4 کروڑ 30 لاکھ ایکٹر فٹ ہو گیا۔ یعنی 70 لاکھ ایکٹر فٹ پانی زیادہ ملنا شروع ہوا۔ یہ اعداد و شمار صوبہ سندھ کے محکمہ آبپاشی کے دیئے ہوئے معلومات پر ارسا (IRSA) نے بنائی ہیں۔ اگر منگلا اور تربیلا ڈیمز سے صوبہ سندھ کو پانی زیادہ ملنا شروع ہوا ہے تو اسی دریا پر کالا باغ ڈیم سے نقصان کیوں ہوگا؟ کالا باغ ڈیم جھیل دریائے سندھ کو تو جذب نہیں کر سکتا۔ اس سے تو پانی نے نکلنا ہی ہے۔ اور کوئی چاہے یا نہ چاہے اسی پانی نے تو صوبہ سندھ کو پہنچنا ہی ہے۔ تو زیادہ ہی پانی پہنچے گا۔ اور ماہرین کے حساب کے مطابق تقریباً 40 لاکھ ایکٹر فٹ سندھ کو زیادہ پہنچے گا جو پنجاب کے 20 لاکھ ایکٹر فٹ سے بھی زیادہ ہیں۔

لیکن ان غلط بیانیوں کی رٹ پچھلے 30 سال سے ایسے زور و شور سے لگائی گئی ہے اب کالا باغ ڈیم کے مجوزہ بنانے سے "نوشہرہ کے ڈوبنے" اور "سندھ کے بنجر ہونے" کے جن خطرات کا عام طور پر ذکر کیا جاتا ہے ان کی حقیقت معلوم ہونے کے بعد حیرانگی ہوتی ہے کہ کالا باغ ڈیم کے مخالفین کی باتوں کو کیا نام دیں۔ اور اس کا مقصد کیا ہے۔ پورے حقائق تلخ ہوں گے لیکن میں حقائق کا بیان تلخی سے ہٹ کر کرنے کی کوشش کرونگا۔

> ہمارے ملک میں اب تقریباً MAF142 (ملین ایکٹر فیٹ) پانی سالانہ دستیاب ہے جو ضرورت کے لحاظ سے کم تو ہے ہی مگر پھر بھی اس میں سے ہمارے بعض حکمرانوں کی غلط پالیسوں اور مجرمانہ غفلتوں کی وجہ سے مسلسل ضائع ہوتا رہا ہے۔ ہمارے زیر زمین پانی کی سطح بھی مسلسل تیزی سے کم ہو رہی ہے حالانکہ ماضی میں پاکستان وافر پانی رکھنے کا درجہ رکھتا تھا مگر افسوس آج پانی کی کمی کا شکار ہوتا جا رہا ہے

کچھ حلقے سیاسی دکانداریوں کو چمکانے کے لیے بے بنیاد قسم کا پروپیگنڈہ کر رہے ہیں جو بلاشبہ ہمارے دشمنوں کا پاکستان کے خلاف ایجنڈا مکمل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ نوشہرہ، چارسدہ (خیبر پختونخواہ) سیلابہ، ضلع ٹھٹھہ (سندھ) کو بالکل کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ حقیقت میں سندھ میں 660000 ایکٹر پر وڈیرے ناجائز قابضین ہیں کالا باغ ڈیم بننے سے آبپاشی کا نظام آئیگا اور مالیہ اور آبیانہ بھی دینا ہوگا پھر اصل مالک آ جائیگا تو وڈیروں سے زمین چھینی جائیگی لہٰذا وڈیرے مخالفت کا شور مچاتے ہیں (جیسے چور مچائے شور)۔

6- تیسری وجہ: جھوٹ بے ضرر کبھی نہیں ہوتا۔ مگر بعض جھوٹ ایسے ہو سکتے ہیں کہ انکے لیے ضرر کا لفظ اصلیت کا ناکافی اظہار ہوگا کیونکہ کالا باغ ڈیم کے نہ بنانے سے پاکستان کو سالانہ تقریباً 180 ارب روپے کا نقصان ہو رہا ہے جو پاکستان کا ہر شہری ہر سال 1000 روپے فی کس ادا کر رہا ہے۔ اس کے علاوہ پن بجلی کو تقریباً 4,600 میگاواٹ پر منجمد کرنے سے بجلی کی بڑھتی ہوئی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے متبادل ذریعہ گیس کو چنا گیا اور گیس کا بہت زیادہ استعمال بجلی بنانے کے لیے ہوتا رہا ہے۔ 2009 میں تقریباً 48 فیصد گیس کا استعمال اس کام کے لیے ہوتا رہا۔ گیس کے ذخائر تیزی سے کم ہونے لگے اور پاکستان کی اہم ضروریات کے لیے گیس کی کمی ہوگی۔ اس کے باوجود بجلی کی لوڈشیڈنگ ہو رہی ہے۔ کارخانے بند ہو رہے ہیں۔ رزق حلال کمانے کے مواقع ختم کیے جا رہے ہیں۔ مہنگائی بے تحاشہ بڑھ رہی ہے۔ اور اکیسویں صدی جس کو ایشیا کی صدی کہا گیا ہے اس میں تقریباً ایشیا کا ہر ملک دن دگنی اور رات چوگنی ترقی کر رہا ہے۔ مگر پاکستان ایشیا کے اہم ممالک میں واحد ملک ہے جو اقتصادی زبوں حالی کا شکار ہے۔ پاکستان اور اسکے عوام کے بدخواہوں کی تو مرادیں بھر آئی ہیں اور وہ پاکستان کو زیادہ نقصان پہنچانے کے لیے زیادہ حوصلہ مند ہو گئے ہیں۔ اس لیے پاکستان کے عوام کو اس حالت زار سے نکالنے کے لیے اس جھوٹ کا طشت از بام ہونا بڑا ضروری ہے تاکہ پاکستان کے عوام کی خوشحالی کے لیے صحیح راستے کا انتخاب کیا جا سکے۔

7- **کالا باغ ڈیم کے خلاف مقدمہ اور حقائق:**

اس لمبی تاویل کے بعد اب میں باقی اعتراضات کی طرف آتا ہوں۔ یہ کہتے ہوئے کہ سچ ذرا کڑوا ہو جائیگا لیکن سچ کے بغیر صحیح منزل پا نہیں سکتے۔ بات

یہ کرنی ہے کہ ان اعتراضات کو ہم کیا نام دیں ۔اعتراض وہ ہوتا ہے جو کوئی صدق دل سے ایک مسئلہ پر حقائق سمجھنے کے لیے بیان کرتا ہے لیکن اگر کوئی حقائق کو معلوم ہونے سے انکار کرے بلکہ

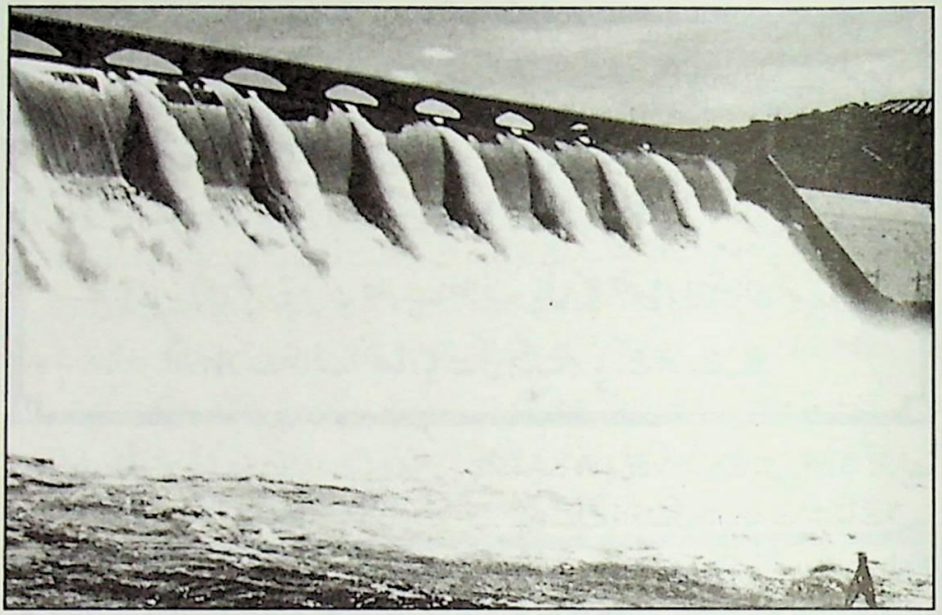

حقائق پر بات کرنے کی ہر بات کو رد کرے اور باقی لوگوں سے چھپائے ،اس کے اعتراض کو کیا نام دیں؟ غلط فہمی ، غلط بیانی ، جھوٹ یا پھر بہتان ۔ یہ فیصلہ میں قارئین پر چھوڑتا ہوں کہ اس مضمون کو پڑھنے کے بعد کریں۔اگر جھوٹ ہو تو قرآن شریف میں اس کو بہت سختی سے منع کیا گیا ہے ۔ایک آدمی کو بھی جھوٹ کہنا ایک گناہ عظیم ہے ۔ اور جب یہ جھوٹ 18 کروڑ انسانوں سے بولا جائے تو ایسے گناہ کس زمرے میں آتے ہیں اس کا علم تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔

8- **صوبہ پختونخواہ کے ناقدین:**

پہلا خدشہ کالا باغ ڈیم کے بننے سے نوشہرہ سیلاب سے ڈوب جائیگا۔حقائق کا ذکر پہلے ہی کر دیا گیا ہے کہ تاریخ کے دو بدترین سیلابوں (1929اور2010) کی تباہ کاریاں اس وقت ہوئی ہیں جب کالا باغ ڈیم کا وجود ہی نہیں ہے۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پشاور اور نوشہرہ کے علاقوں میں سیلاب کا آنا اور نقصان کرنے کا کالا باغ ڈیم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ "ہوئی ہیں" حقیقت ہے۔ "ہو جائیں گی "مفروضے ہیں۔ حقائق سے sustainable دنیا بنتی ہے۔مفروضوں سے خواہشات کی صرف خوابیں آتی ہیں۔

دوسرا خدشہ: مردان پبئی اور صوابی کے میدانوں میں کالا باغ ڈیم کی وجہ سے نکاسی آب پر برا اثر پڑے گا جس سے میدان Saline اور Waterlogged ہو جائینگے۔

حقائق: کالا باغ ڈیم مردان سے 200 کلومیٹر پبئی سے 230 کلومیٹر اور صوابی سے 160 کلومیٹر کے فاصلہ پر ہوگا۔کالا باغ ڈیم جھیل کے پانی کا لیول ان میدانوں سے کم از کم 90فٹ نیچے ہوگا۔ اگر اس خدشے میں صداقت ہو تو پھر ان علاقوں کے لیے بڑا خطرہ کالا باغ ڈیم سے نہیں بلکہ تربیلا ڈیم سے ہوگا جو دور بھی نہیں بلکہ صوابی کے میدانوں کے ایک سرے پر واقع ہے اور مردان سے 50 کلومیٹر اور پبئی سے 90 کلومیٹر دور ہے جس کا پانی ان میدانوں سے 400فٹ اونچا ہے۔ کیا زمین سے 90فٹ نیچے کا پانی waterlogged کے لیے زیادہ خطرناک ہو گا یا 500 فٹ میدانوں سے اونچا پانی (تربیلا جھیل کا لیول) سمجھنے والے اس کو سمجھ جائینگے ۔ایسے خدشے کا جواز ہی نہیں ہے۔ بلکہ مضحکہ خیز ہے۔

تیسرا خدشہ: مردان سکارپ چلانے میں مشکلات آئینگی۔

حقائق: تاریخی طور ر 1929 کا سیلاب نوشہرہ کے لیے Mega Flood تھا اور 2010 سیلاب Super Mega Flood تھا۔اگر ان سیلابوں سے مردان سکارپ پر کوئی خراب اثر نہیں پڑا تو پھر ڈر کیا ہے؟ اور اگر کوئی اثر پڑا بھی ہے تو اس کا تعلق تو کالا باغ ڈیم سے نہیں ہے کیونکہ اس کا تو وجود ہی نہیں ہے۔

چوتھا خدشہ: قابل کاشت اور ذرخیز زمین پانی میں ڈوب جائیگی۔

حقائق: وہ زیر کاشت زمین جہاں آبپاشی بھی ہو رہی ہے اور جو کالا باغ ڈیم منصوبے سے زیر آب آئیگا وہ پورے منصوبے میں 3,000 ایکٹر ہے جس میں 2,900 ایکٹر صوبہ پنجاب کا ہے اور صرف 100 ایکٹر صوبہ پختونخواہ کا ہے۔ نکاسی آب کے Drains بناتے وقت بھی چھوٹے چھوٹے منصوبوں میں اس سے زیادہ زمین استعمال میں آ کر زراعت سے نکل جاتی ہے۔ یہ 100 ایکٹر تو قابل بھی نہیں ہے۔ یہ بھی ایک مضحکہ خیز اعتراض ہے۔

9- **صوبہ سندھ کے ناقدین۔** پہلا خدشہ: صوبہ سندھ کا کالا باغ ڈیم کی وجہ سے بنجر ہونے کا خدشہ سب سے اہم ہے۔صوبہ سندھ کے اپنے اعداد و شمار سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ بنجر ہونا تو درکنار کالا باغ ڈیم سے سندھ کو فائدہ پہنچے گا۔

دوسرا خدشہ: دریائے سندھ میں سالانہ پانی کی مقدار بدلتی رہی ہے۔کبھی زیادہ کبھی کم یہ خدشہ ہے کہ اگر اربوں ڈالر سے ڈیم بنیں تو ان سے پورا فائدہ اٹھانے کے لیے ان کو پورا بھرنا ضروری ہوگا۔اور اگر دریا میں پانی کم ہوگا تو اس جھیل کو بھرنے کے لیے صوبہ سندھ کا پانی کم کیا جا سکتا ہے۔

حقائق: یہ صحیح ہے کہ دریائے سندھ کا پانی سال بہ سال بدلتا

کالا باغ ڈیم بننے کے بعد سندھ اور خیبر پختونخواہ کے بہت سے علاقے سیلاب کی تباہ کاریوں سے ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائینگے۔کالا باغ ڈیم میں ذخیرہ ہونے والے 7 ملین ایکٹر فٹ پانی میں سے 2.6 ملین ایکٹر فٹ پانی سندھ کے حصے میں آئے گا جو وہاں پانی کی قلت کے شکار زرعی علاقوں میں آبپاشی کے لیے استعمال ہو سکے گا

رہتا ہے لیکن دنیا کا ہر دریا اس طرح ہی ہوتا ہے کسی بھی دریا میں بہتے ہوئے پانی کی سالانہ مقدار ایک نہیں ہوتی، جتنا بھی پانی ہوگا۔ کم یا زیادہ اسکی تقسیم ایک متفق شدہ فارمولے کے مطابق ہوگی اور یہ کام IRSA کے ذمے ہے۔(IRSA) ایک محکمہ ہے پانی کی کمی کوئی نئی بات نہیں ہے اور شواہد یہ بتاتے ہیں کہ IRSA اپنا فرض مناسب طریقے سے ادا کرتا آ رہا ہے۔ اس لیے اس خدشے کا کوئی مناسب جواز نہیں ہے۔ اور لگتا ہے کہ یہ بات صرف زیب داستان کے لیے کی جا رہی ہے۔

تیسرا خدشہ: کالا باغ ڈیم منصوبے میں دریائے سندھ سے نہریں نکالی جائینگی اور خدشہ ہے کہ ان میں سے اپنے حصے سے زیادہ پانی لیا جائیگا۔ جس سے صوبہ سندھ کے لیے پانی کم رہ جائیگا۔

حقائق: دریائے سندھ سے نہریں نکالنا کوئی نئی بات نہیں ہوگی اس وقت 7 نہریں دریائے سندھ سے پانی لے کر پنجاب اور پختونخواہ صوبوں کی زمینوں کی سیرابی کر رہی ہیں۔ اور وہ تقریباً 65,000 کیوسک دریائے سندھ سے لے سکتی ہیں۔ کالا باغ ڈیم منصوبے کے نیچے جو دو نہریں بنیں گی انکی

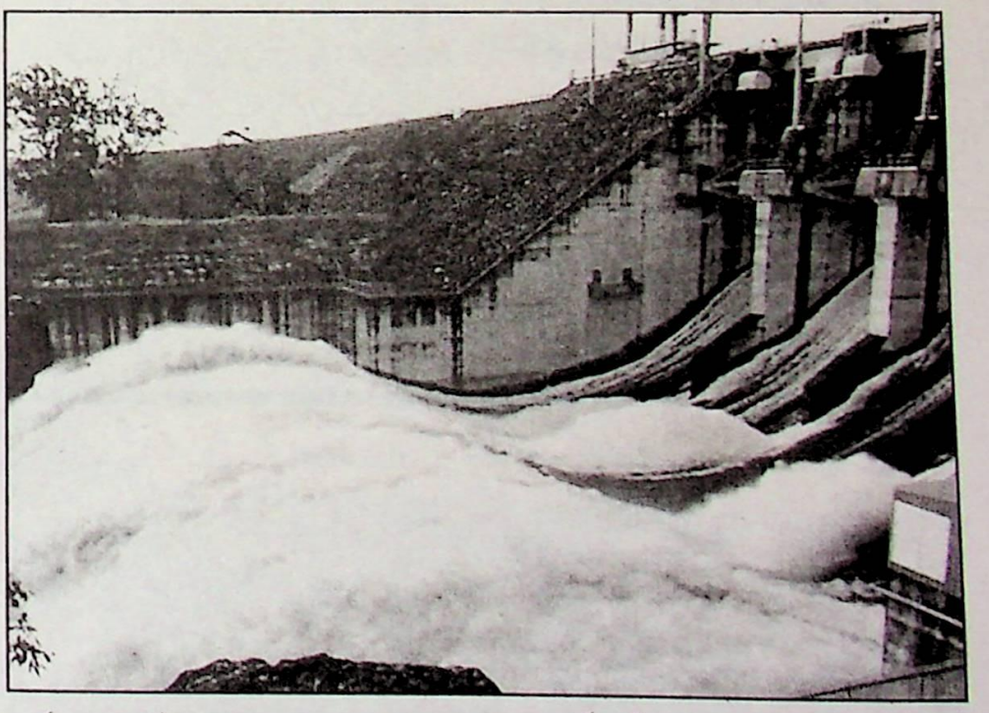

Capacity تو اس سے بہت کم ہوگی اور وہ تو صرف اپنے حصے کا پانی ہی لینے کے لیے بنائی جائینگی۔ اگر ان بنی ہوئی نہروں کے باوجود صوبہ سندھ کو اپنے حصے کا پانی ملتا رہا ہے تو مقابلتاً دو چھوٹی نہروں سے کیا نقصان ہو سکتا ہے؟ دریائے سندھ سے پانی لینے کی صلاحیت پنجاب اور پختونخواہ کا اتنا ہے کہ وہ اگر ان سب نہروں کو چلائیں تو دریائے سندھ موسم سرما میں خشک ہو جائیگا۔ کبھی ایسا ہوا نہیں۔

یہ خدشہ نہ صرف بے بنیاد ہے بلکہ نامناسب بھی۔ کیونکہ یہ کہنا کہ میرے پانی کا حصہ دینے کے لیے دوسرے صوبے کو اس کا حق نہیں دیا جائے یہ تو Water Accord کی صریحاً خلاف ورزی ہی نہیں اس پورے Accord کو توڑنے کے برابر ہے۔ وہ Accord جس کے متعلق صوبہ سندھ ہمیشہ زور دے کر کہتا ہے کہ اس Accord کو مکمل طور پر زیر عمل لایا جائے۔

> ہمارے دریائی پانی پر ہمسایہ ملک بڑی ہٹ دھرمی سے ڈاکے مار کر ہمارے مغربی دریاؤں چناب، جہلم اور سندھ پر انڈس واٹر ٹریٹی 1960 کی خلاف ورزیاں کر کے ڈیم پر ڈیم بنائے جا رہا ہے مگر ہمارے حکمران مجرمانہ غفلتوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ اسی طرح دشمن ہمارے خلاف پانی کا ہتھیار استعمال کر رہا ہے اور ہمارے خلاف اقتصادیات کی جنگ برپا کیے ہوئے ہے

کیونکہ وفاقی حکومت ہے اسکے ادارے ہیں جو اس تقسیم کو دیکھ رہے ہیں کہ صحیح ہو۔ اور یہ صحیح ہو رہا ہے۔ کیونکہ اس کے غلط ہونے کے شواہد نہیں ہیں۔ یہاں پر یہ یاد کروانے کی ضرورت ہے کہ تربیلا جھیل صوبہ پختونخواہ میں ہے۔ لیکن اس صوبے کو اس جھیل سے صرف 4 فیصد پانی ملتا ہے اور سندھ کو 70 فیصد - یہ بات کیوں نظر انداز کی جاتی ہے۔

چوتھا خدشہ: کالا باغ Reserve میں 61 لاکھ ایکٹر فٹ پانی کے ذخیرہ ہونے کی وجہ سے بہت اعتراضات ہیں۔ جن میں سیلابہ زراعت ڈیلٹا میں مینگرو جنگلات Fish Livestock، and Shrimp، Biodiversity پینے کا پانی، Sea intrusion، Deterioration of River Channel، غربت میں زیادتی اور میٹھے پانی کے ٹیوب ویل وغیرہ شامل ہیں۔

حقائق: بدقسمتی سے کالا باغ ڈیم مخالفین اپنے آپ کو حقائق سے دور رکھنے کی حتی الوسع کوشش کرتے ہیں۔ مثلاً اس اعتراض کے زمرے میں حقیقت یہ ہے کہ ان خدشات پر ایک مفصل Study کے لیے بین الاقوامی ماہرین کا پینل حکومت پاکستان نے بنایا۔ اس پینل نے Detailed study کے بعد اپنی سفارشات حکومت کو دیں جس کی دو اہم سفارشات یہ تھیں: پہلی یہ کہ 5 ہزار کیوسک پانی دن رات کوٹری بیراج سے Escape کیا جائے اور اس کے علاوہ سیلاب کے دنوں میں 50 لاکھ ایکٹر فٹ پانی بھی کوٹری بیراج سے Escape کیا جائے یہ Accord 1991 کے پیرا نمبر 7 کی جگہ لے لے گی۔ دوسری سفارش یہ تھی کہ ایک بڑا ڈیم جلدی تعمیر کیا جائیگا تا کہ 5 ہزار کیوسک پانی کو دن رات متواتر کوٹری سے Escape کرنے کے لیے پانی سسٹم میں موجود ہو۔ اور یہ پانی نیچے علاقے کو دیا جا سکے۔ سفارشات پر عمل کا مجھے کوئی علم نہیں ہے۔

لیکن خدشے کا ذکر متواتر کیا جاتا ہے۔ کتنی عجیب بات ہے کہ ہم اپنی بیماری کے علاج کے مقابلے میں اس کے بیان سے زیادہ محفوظ ہوتے ہیں۔

10- پاکستان ایک زرعی ملک ہے اور صنعتی ملک بھی بننے کی کوشش کر رہا ہے جو دنیا سے ہم پلہ ہونے کے لیے نہایت ہی ضروری ہے لیکن فی الحال تو زیادہ آبادی اور ٹاؤن پر ٹاؤن کا ملک بن رہا ہے۔ زراعت اور کھیتوں کو کچل کر دیواریں کھڑی کر رہا ہے ہماری بہت سی صنعت کا خام مال اور خوراک زرعی پیداوار پر محیط ہے دیگر شعبہ جات کے ساتھ ساتھ زراعت اور صنعت کو اپنے اپنے وجود کو قائم رکھنے اور ترقی کرنے کے لیے پانی کو بہت زیادہ اہمیت حاصل ہے ۔ وطن عزیز میں پانی کتنا دستیاب ہے کتنی ضرورت ہے اور کتنا استعمال میں ہے نیز پانی کو استعمال کرنے کا کیا سلیقہ ہے۔ اس پر نہایت سنجیدگی سے غور کرنے کی اشد ضرورت ہے ہمارے ملک میں اب تقریباً MAF142 (ملین ایکٹر فیٹ) پانی سالانہ دستیاب ہے جو ضرورت کے لحاظ سے کم تو ہے ہی مگر پھر بھی اس میں سے ہمارے بعض حکمرانوں کی غلط پالیسوں اور مجرمانہ غفلتوں کی وجہ سے مسلسل ضائع ہوتا رہا ہے۔ ہمارے زیر زمین پانی کی سطح بھی مسلسل تیزی سے کم ہو رہی ہے حالانکہ ماضی میں پاکستان وافر پانی رکھنے کا درجہ رکھتا تھا مگر افسوس آج پانی کی کمی کا شکار ہوتا جا رہا ہے۔

ایک تو پاکستان نے مناسب ترین Dam Sites اور Potential میسر ہوتے ہوئے بھی پانی ذخیرہ کرنے کے لیے ڈیمز نہیں بنائے جو ڈیمز بنائے گئے وہ بھی عمر رسیدہ ہو کر مسلسل پانی ذخیرہ کرنے کی گنجائش کھو رہے ہیں۔ اس طرح ہماری پانی ذخیرہ کرنے کی اب تقریباً 23% گنجائش کم ہو چکی ہے۔ ان ڈیموں سے زراعت کو پانی ملنے کے ساتھ ساتھ سستی ترین بجلی بھی پیدا کی جاتی ہے جو ہماری اشد ضرورت ہے۔ سستی ترین بجلی سے ہماری صنعت کا پہیہ تیزی سے گھوم سکتا ہے۔ ہمیں ملک میں روزگار مہیا کرنے میں آسانی ہو سکتی ہے۔ گھروں کو روشن رکھنے اور گلی محلے کی چھوٹی چھوٹی ورکشاپس' کارخانے' دستکاری اور کاریگروں کے لیے خود روزگاری کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اسی طرح ہماری Exports بڑھ سکتی ہیں۔ ہمارے دریائی پانی پر ہمسایہ ملک بڑی ہٹ دھرمی سے ڈاکے مار مار کر ہمارے مغربی دریاؤں چناب، جہلم اور سندھ پر انڈس واٹر ٹریٹی 1960 کی خلاف ورزیاں کر کے ڈیم پر ڈیم بنائے جا رہا ہے مگر ہمارے حکمران مجرمانہ غفلتوں کا شکار ہو رہے ہیں۔ اسی طرح دشمن ہمارے خلاف پانی کا ہتھیار استعمال کر رہا ہے اور ہمارے خلاف اقتصادیات کی جنگ برپا کئے ہوا ہے۔

کالا باغ ڈیم پاکستان کو توانائی کے بحران سے چھٹکارا دلا سکتا ہے کیونکہ اس سے سالانہ 3600 میگاواٹ بجلی پیدا ہوگی جس کی ابتدائی طور پر لاگت صرف 2.50 روپے فی یونٹ ہوگی جبکہ 5 سال بعد جب یہ ڈیم اپنی لاگت خود ہی پوری کر لے گا تو بجلی صرف 1 روپے فی یونٹ کی لاگت پر پیدا ہوگی

آج دنیا کے حالات پر اگر نظر دوڑائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اب باڈروں اور حملوں کی جنگ سے کہیں موثر ملکوں کی اقتصادیات اور پیداوار کو تباہ کر کے آسانی سے کئی طرح سے کمزور اور مفلوج کر کے طاقتور ممالک اپنے مقاصد حاصل کر سکتے ہیں اور کر بھی رہے ہیں۔

دوسری طرف انکے قرضوں کا ہتھیار بہت تیز اور موثر ہے۔ ترقی پذیر ممالک کو مختلف ہتھکنڈوں سے زیر اثر رکھ کر اور پیداوری صلاحیتوں کو سلب کر کے قرضوں کے جھال میں پھنسایا جاتا ہے جو آئے روز "سوتے" ہوئے قرضوں کی وجہ سے عوام کی حالات ناگفتہ بہ ہوتی رہتی ہے، مہنگائی اور محرمیوں کا دباؤ بڑھ رہا ہے۔ لوگوں کے حوصلے پست بھی ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ تعلیم، صحت، دہشت گردی اور لا اینڈ آرڈر کے مسائل جنم لیتے ہیں۔ ہمارے دستیاب پانی سے تقریباً 26 MAF سالانہ سمندر میں گر کر ضائع ہو رہا ہے۔ پانی ذخیرہ کرنے اور سستی ترین ہائیڈل بجلی بھی بنانے کی صلاحیتوں کو بروکار نہ لا کر ہم اپنے ہی ہاتھوں اپنا بہت نقصان کر رہے ہیں اور بین الصوبائی باہمی بداعتمادی اور کشمکش کا شکار ہوتے جا رہے ہیں۔

بدقسمتی سے کرپشن ہمیں دیمک کی طرح چاٹ رہی ہے اور کوئی روک تھام کا امکان نظر نہیں آتا۔ اپنے اپنے گھناؤنے مفادات کے لئے فائدہ مند منصوبوں کو بھی منفی سیاست کی نظر کیا جاتا ہے۔ ملک وقوم کے خلاف دشمنوں کے ایجنڈوں پر کام کرنے والے بڑے بڑے لیڈر کہلاتے ہیں۔ ہمیں فوراً یہ کرنا ہوگا پانی ذخیرہ کرنے کے ڈیمز خصوصاً کالا باغ ڈیم جنگی بنیادوں پر تعمیر کریں۔ زراعت کے لیے ہائیڈل پاور جنریشن سے سستی ترین بجلی پیدا کریں۔ اپنے نہری نظام کو درست کریں تاکہ پانی ضائع ہونے سے بچائیں۔

ڈیمز بنا کر ہم سیلابوں کے عذاب سے بھی بچ سکتے ہیں اور سیلابوں کے پانی کو فائدہ مند بنا سکتے ہیں۔ انڈیا جو ہمارے مغربی دریاؤں کے پانی اپنے ناجائز قبضہ میں کر رہا ہے اس کو واگزار کروانا ہوگا ورنہ اس مسئلہ پر مستقبل میں پانی پر جنگ کو کوئی نہ روک سکے گا۔

پاکستان میں ہر طرح کا Potential ہے اس کو استعمال میں لا کر بیرونی خطرات اور دباؤ سے نکلیں اور اپنے وطن عزیز کو ترقی پر ڈال کر ایک ذمہ دار، خوشحال اور طاقتور قوم بنیں، اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ہم ایٹمی قوت ہیں اب ایٹمی قوم بنیں اور دنیا میں بلند مقام پائیں۔

مملکت خداداد پاکستان سے پیار کیجئے
کرپشن اور مجرمانہ غفلتوں کا قلع قمع کیجئے
دشمن ہیں اقتصادیات کی جنگ برپا کئے ہوئے
اپنے وسائل استعمال کر کے اقتصادیات مستحکم کیجئے
ہے تو کالا باغ ڈیم بہت سا قدرت کا بنایا ہوا ایک نظر تو کیجئے
خود کفالت، ترقی، خوشحالی کے منصوبے کو مفاہمت سے جلد بنا لیجئے
کر سکو گے اپنی کاشت کو دوگنا اور صنعتی عروج ہوگا
مٹے اندھیرے تو امن، تعلیم، بڑی کمائی کا دور ہوگا
بچائے سیلابوں سے خیبر پنجاب مہران تو وطن آفت زدہ نہ ہوگا
بن گیا کالا باغ ڈیم تو نہ اندھیرا کوئی بنجر نہ کوئی پیاسا ہوگا
مملکت خداداد پاکستان سے پیار کیجئے
کرپشن اور مجرمانہ غفلتوں کا قلع قمع کیجئے

مولانا ظفر علی خان کہتے ہیں

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

نزلہ، زکام، کھانسی سے پریشان؟
سُعالین اور صُدوری مؤثر حل، فوری آرام
FOR COUGH & COLD
Suduri
صدوری
Sualin
سعالین
ہمدرد
Blitz

Nazaria-i-Pakistan Trust

Our Vision is to make Pakistan a Modern Islamic, Ideological. Welfare and Democratic State

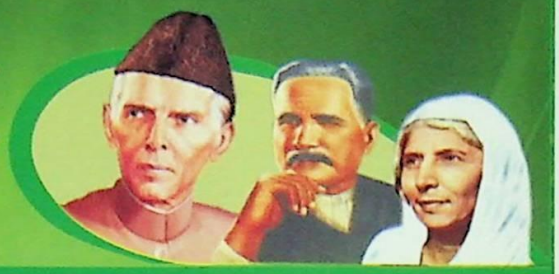

LATEST NEWS: YOUM-E-TASEES NAZARIA-I-PAKISTAN TRUST 16th APRIL 2013

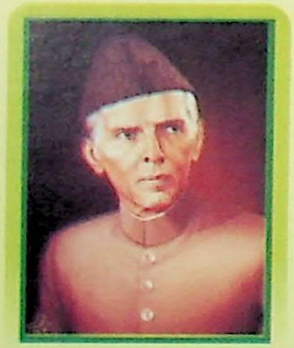

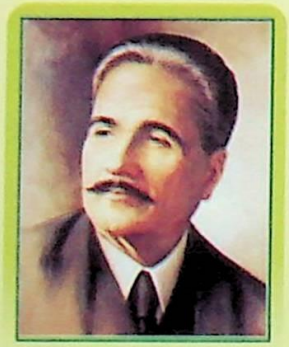

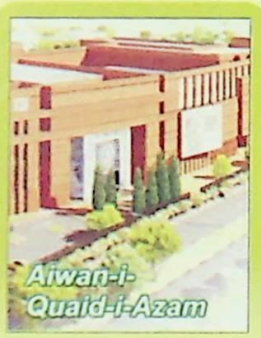

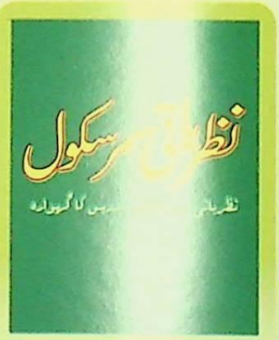

Pakistan

- Sufism
- Culture of Pakistan
- Environment of Pakistan
- Physical Characteristics

Kashmir

- History
- Image Gallery
- Pak India Disputs
- Nehru-Gandhi's Commitment

Publications

- Books
- Booklets
- Monthly Magzines
- Cd's of Nazaria Pakistan Trust

Our Heroes

- Artists
- Scientists
- Sportsmen
- Politicians

Downloads

- NPT Logo
- Qaumi Tarana
- Membership Form
- Magazine's Subscription Form

Videos/News

- Important Events
- Videos of Programs/Events
- Pakistan Awareness Program
- Daily Press Release